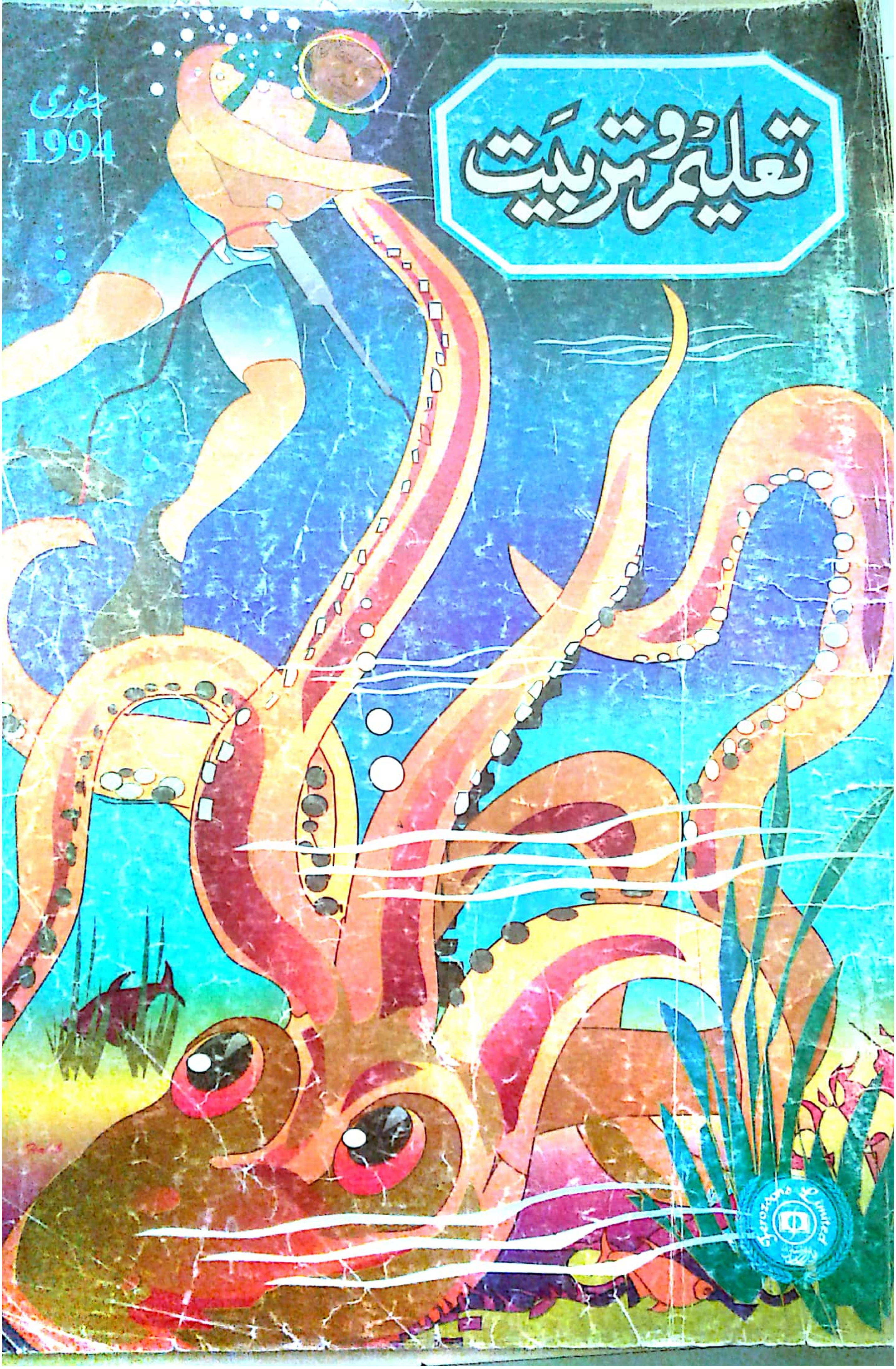

Scanned by CamScanner

نیا سال مبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم

تعلیم و تربیت پڑھنے والے تمام ساتھیوں کو نیا سال مبارک ہو۔ خدا کرے آپ کا یہ سال پچھلے سال سے بھی اچھا گزرے اور آپ سارا سال ہنستے مسکراتے رہیں۔ آمین!

نئے سال کی پہلی تاریخ کو، تنہائی میں بیٹھ کر، ذرا سوچیے کہ آپ نے گزشتہ سال کون سے اچھے اچھے کام کیے تھے۔ اِن اچھے کاموں کو ایک کاغذ پر لکھیے اور دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اِس سال ویسے ہی اچھے، بلکہ اُن سے بھی اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور بھئی "اگر آپ غلطی سے کوئی غلط کام کر بیٹھے ہوں (مثلاً کسی پُرانے رسالے سے کوئی کہانی نقل کر کے ہمیں بھیج دی ہو) تو پکّا عہد کیجیے کہ اس سال ایسا کوئی غلط کام نہیں کریں گے۔

ناول "غیبی انسان" کی پہلی قسط کے بارے میں ہمیں بے شمار تعریفی خط ملے ہیں۔ یقین کیجیے کہ اِس ناول کی ہر قسط پچھلی قسط سے زیادہ دل چسپ اور حیرت انگیز ہوگی۔ اپنے کُتب فروش کو تاکید کر دیجیے کہ وہ ہر ماہ تعلیم و تربیت کا ایک پرچہ آپ کے لیے رکھ لیا کرے۔

اچھا، اب ہمیں آپ سے ایک رائے لینی ہے۔ ہمارے پاس "آیئے، دوست بنائیں" کے سلسلے میں اِتنی تصویریں جمع ہوگئی ہیں کہ اُنھیں چھاپنے کے لیے کم از کم دس سال چاہئیں۔ تو بھئی، دس سال بعد جن ساتھیوں کی تصویریں چھپیں گی، اُن میں سے اکثر کی شادی ہو چکی ہوگی اور وہ، خیر سے، دو تین بچّوں کے باپ ہوں گے۔ اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم اِس مشکل مسئلے سے کِس طرح نمٹیں؟ (ایڈیٹر)

اس شمارے میں

[illegible]		1
نیا سال (نظم)	فرحت شاہجہان پوری	2
بچہ ... اور ... (کہانی)	ذکیہ ...	3
... (کہانی)	سلیم خان گمی	8
... (کہانی)	اشتیاق احمد	13
... (درسِ قرآن)	ڈاکٹر عبدالرؤف	17
...	ڈاکٹر ... احمد ناصر	18
... (کہانی)	سید نظر زیدی	20
سب (نظم)	ضیغم ...	25
... (نظم)	سعید لخت	26
... کی تلاش (کہانی)	نعیم طارق	29
... ایک ... (کہانی)	ف ...	34
بے زبان قیدی (کہانی)	رضوان محمد خان ثاقب	38
آیئے مسکرائیں		42
علمی آزمائش		43
آیئے دوست بنائیں		45
آپ کا خط		[illegible]
... (نظم)	[illegible]	[illegible]
...		50
سائنس کے کھیل		[illegible]
آپ بھی لکھیے		52
غیبی انسان (ناول)	محمود حسن ...	[illegible]
...		[illegible]
حضرت ابوبکر صدیق	[illegible]	[illegible]

53 واں سال

دسواں شمارہ

تعلیم و تربیت

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا
بچوں کا محبوب رسالہ

چیف ایڈیٹر: عبدالسلام

ایڈیٹر: سعید لخت

آرٹ ڈائریکٹر: محمود حسن رومی

سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور

پبلشر: ظہیر سلام

پرنٹر: عبدالسلام

پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت
32- شارع بن بادیس لاہور
فون:- 6361309-6361310-7
6278815-6278816

سرکولیشن اور اکاؤنٹس
60- شاہراہ قائداعظم لاہور

سالانہ قیمت
پاکستان میں ... [illegible] روپے
[illegible] روپے
[illegible] روپے
[illegible] روپے

جنوری 1994

قیمت [illegible] روپے

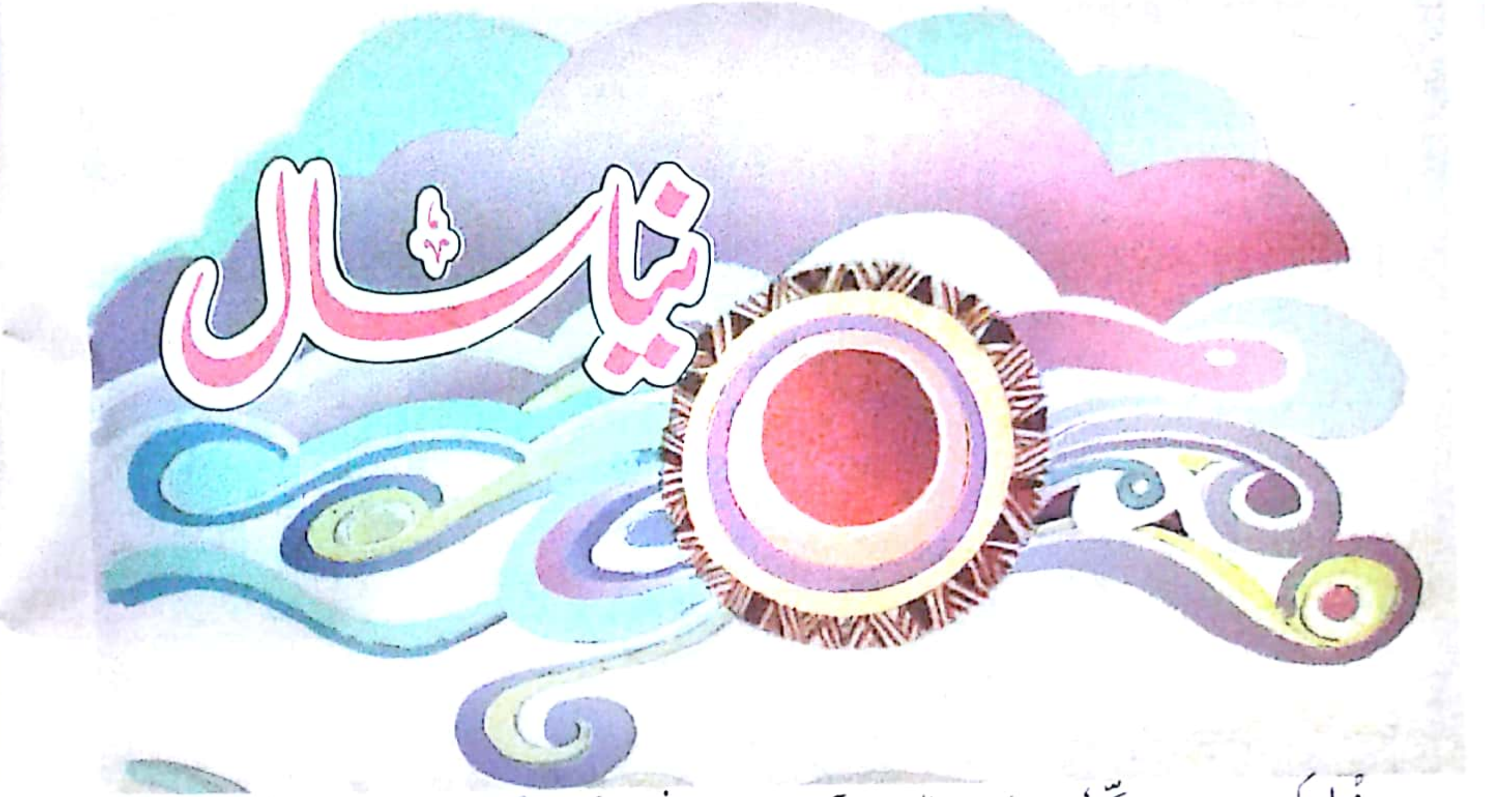

مُبارک ہو بچّو، نیا سال آیا
خوشی کے بہت سے نئے رنگ لایا

خوشی کے اُجالے بکھرنے لگے ہیں
ارادے دِلوں میں نکھرنے لگے ہیں

ارادے یہ کہتے ہیں، آگے بڑھیں گے
یہی عُمر ہے، دِل لگا کر پڑھیں گے

ہر اِک کی بھلائی کا ہم دَم بھریں گے
فَضائیں ترقّی کی روشن کریں گے

کریں گے کسی کی نہ ہرگز بُرائی
کہ اِنسان کی ہے اِسی میں بڑائی

امیری غریبی کے بندھن کو کاٹیں
گڑھے نفرتوں کے محبّت سے پاٹیں

ہم اپنے پرائے کی خدمت کریں گے
ہم اپنے وطن سے محبّت کریں گے

نئی چاہتوں کی کِھلائیں گے کلیاں
بدل دیں گے ہم پیار سے غم کی گلیاں

مُحبّت کی راہوں پہ چلتے رہیں گے
ہم آپس میں مِل جُل کے چلتے رہیں گے

فرحت شاہ جہان پوری

Scanned by CamScanner

دروازے پر مخصوص "کھٹ کھٹ" کی آواز پر دونوں بچے شاہد اور عابد دروازے کی طرف دوڑے۔ "ابّا آگئے ابّا آگئے!"

حُمیرا نے دروازہ کھولا۔ چچا جھگڑو دفتر سے واپس آئے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں بسکٹ کا ایک ڈبّا تھا جو اُنھوں نے شاہد کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اب دونوں بچوں میں چھینا جھپٹی شروع ہو گئی۔

"میرا ڈبّا۔ مجھے بھی دو۔ میں بھی لُوں گا۔ نہیں۔ یہ میرا ہے" شاہد نے ڈبّا چھین لیا۔ عابد زور زور سے رونے لگا۔

"یہ کیا ہنگامہ ہے؟ بچّوں کو خاموش کراؤ" چچا نے بیوی سے کہا۔

"آپ بھی تو حد کرتے ہیں۔ دو بچّے ہیں۔ پھر چیز ایک کیوں لاتے ہیں؟ جھگڑا تو ہو گا ہی" حُمیرا بولی۔

"مہنگائی بڑھ گئی ہے۔ ایک ہی ڈبّا خرید لیا تو بہت ہے۔ تم ڈبّا کھول کر دونوں بچّوں کو بسکٹ دے دو"۔

"یہ تو خیر میں کروں گی۔ مگر آپ ہمیشہ جو بھی چیز لاتے ہیں، شاہد ہی کو دیتے ہیں۔ عابد بے چارہ روتا رہ جاتا ہے"۔

"یہ غلط ہے۔ دونوں بچّے ایک شکل کے ہیں۔ میں تو پہچانتا بھی نہیں کہ کون شاہد ہے اور کون عابد" چچا نے جھنجھلا کر کہا۔

"واہ! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ اپنے بچّوں کو نہیں پہچانتے؟ بھئی، عابد کے گال پر تِل ہے اور شاہد کے گال پر نہیں ہے"۔

"یہ بات تم کئی بار بتا چکی ہو، مگر میں بھول جاتا ہوں۔ کس طرح یاد رکھوں کہ کس نام کے بچّے کے گال پر تِل ہے؟ "لاحَولَ وَلا قُوّۃ"۔

Scanned by CamScanner

"اچھا، خیر، چھوڑیں اس بات کو۔ میں نے چائے دَم کر دی ہے۔ آپ منہ ہاتھ دھولیں"۔

چچا بھلکڑ ناراض ناراض سے غسل خانے میں چلے گئے۔

اتنی دیر میں حُمیرا نے عابد کو خاموش کروایا۔ بسکٹ کا ڈبا کھول کر دونوں بچّوں کو بسکٹ دیے۔ بچّے بسکٹ کھانے لگے۔ چائے پینے کے دوران میں چچا نے کہا:

"مہنگائی بہُت بڑھ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ اِس تن خواہ میں تو گزارہ مشکل ہے"۔

"کام چل ہی رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ کیوں فکر کرتے ہیں؟"

"نہیں، بھئی۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا" چچا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یعنی کاروبار؟" حُمیرا نے پوچھا۔

"شاید" چچا بھلکڑ نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ میں نہیں کرنے دوں گی۔ ایک بار پہلے بھی آپ کوشش کر چکے ہیں۔ کچھ بھی نہ ہو سکا۔ آپ نے تو بچّوں کی سال گِرہ کو بھی تجارت بنا دیا تھا۔ پھر کیا ہُوا؟"

"اچھا، بس۔ تم خاموش رہو۔ تم کچھ نہیں جانتیں۔ بلکہ تم سے کچھ کہنا ہی فضول ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ پھر مجھ سے کچھ مت کہا کریں "حمیرا نے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

"یہ آج کل آپ کیا کر رہے ہیں؟ دفتر سے آکر دوبارہ کہیں چلے جاتے ہیں" حُمیرا نے ایک روز چچا سے پوچھا۔

"میرا ایک دوست ہے، مُکرّم۔ وہ آیا ہُوا ہے۔ وہیں جاتا ہوں" چچا نے مختصر جواب دیا۔

"بھئی، یہ کون سا دوست ہے؟ پہلے آپ نے اِس کا کبھی ذکر نہیں کیا"۔

"میرے اِسکول کے زمانے کا دوست ہے۔ دوسرے شہر سے آیا ہے۔ اُس کے چچا کا گھر ہے، قریب ہی"۔

"لیکن اُس کے پاس روز روز کیوں جاتے ہیں؟ وہ تو کبھی یہاں آیا نہیں"۔

"بے کار کے سوالات مت کیا کرو۔ اپنے کام سے کام رکھو" یہ کہہ کر چچا بھلکڑ باہر چلے گئے۔

محلّے میں ایک بہُت بڑا میلا لگ رہا تھا۔ ہر طرف جوش و خروش تھا۔ لوگ، خصوصاً بچّے، بہُت خوش تھے۔ یہ خبر بھی چچا بھلکڑ ہی نے گھر میں سُنائی تھی کہ کل سے میلا لگنے والا ہے۔

"دیکھو، بیگم۔ تم بچّوں کو میلا دکھانے ضرور لے جانا۔ وہ خوش ہوں گے" چچا بھلکڑ نے کہا۔

"مجھے تو میلے میں جانے کا شوق نہیں ہے۔ آپ ہی بچّوں کو لے جایئے گا"۔

"میں تو کراچی سے باہر جا رہا ہوں، کچھ روز کے لیے۔ اگر وقت پر آگیا تو دِکھا دُوں گا" چچا بھلکڑ نے بے پروائی سے کہا۔

"ارے! آپ جا رہے ہیں؟ کب اور کہاں؟" حُمیرا حیران رہ گئی۔

"میں مُکرّم کے ساتھ جا رہا ہوں، شہر سے باہر۔ ایک ضروری کام کے سِلسلے میں۔ آکر بتاؤں گا"۔

"اور دفتر؟"

"دفتر سے چُھٹّی لے لی ہے۔ ہاں، میرا سامان تیّار کر دینا۔ آج ہی جاؤں گا"۔

حُمیرا کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اِن دنوں میاں جی کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے تھے۔ زیادہ سوالات کرنے سے بگڑ جاتے تھے۔ اِس وجہ سے حُمیرا نے خاموش رہنا ہی مُناسِب سمجھا۔

"کیا کسی کاروبار کے سِلسلے میں جا رہے ہیں؟" چلتے وقت حُمیرا نے پوچھا۔

"کہہ تو دیا کہ واپس آکر بتاؤں گا۔ اور ہاں، دیکھو، بچّوں کو میلا ضرور دکھانا"۔ یہ کہہ کر چچا بیگ کاندھے پر ڈال کر چلے گئے۔ اُن کے جانے سے گھر میں سنّاٹا چھا گیا۔

بچّوں کے کپڑے دھونے کے لیے حمیرا نے ایک

Scanned by CamScanner

عورت کو رکھ لیا تھا۔ وہ بہت غریب تھی اور کم اُجرت پر گھروں میں کام کرتی تھی۔ اُسے محلّے والے "ماسی کی کراں" کہتے تھے، کیوں کہ "کی کراں؟" (کیا کروں؟) اُس کا تکیہ کلام تھا۔ بات بات پر "کی کراں" کہتی تھی۔ آج وہ آئی تو کچھ چُپ چُپ سی تھی۔

"کیا بات ہے؟ بہت خاموش ہو" حُمیرا نے پوچھا۔

"کی کراں بیگم صاحب جی، منہگائی بہت ہے، اور دو ہفتے بعد بیٹی کی رُخصتی ہے۔ ایک پائی بھی ہاتھ میں نہیں ہے"۔

"پھر تم کیا کرو گی؟" حُمیرا نے فکر مندی سے کہا۔

"اللہ مالک ہے، بیگم صاحب جی۔ وہی کرے گا انتظام"۔

"کتنی رقم چاہیے تمہیں؟"

"گھر والا بولتا تھا دو ہزار لگیں گے۔ بارات کو روٹی دینی ہے۔ بندے تو کم ہی ہوں گے پر کی کراں، منہگائی بھی تو بہت ہے"۔

حمیرا خاموش ہو گئی۔ اِتنی رقم وہ کہاں سے لاتی۔ اُس کے پاس تو سو روپے بھی نہ تھے۔ مہینے کے آخر میں ہاتھ خالی ہو جاتا تھا۔ مشکل سے گُزر اوقات ہو رہی تھی۔

میلے میں بڑی گہما گہمی تھی۔ طرح طرح کے اسٹال لگے ہوئے تھے۔ کھانے پینے کے سامان سے لے کر کھیل تماشے تک سب ہی کچھ تھا۔ ملتان سے ایک پیر بابا بھی آئے ہوئے تھے۔ بے حد ضعیف، سفید داڑھی، سبز پگڑی، گلے میں ڈھیر ساری مالائیں۔ وہ آنکھیں مُوندے بیٹھے رہتے۔ اُن کا مُرید اُن کے ساتھ تھا۔ کوئی مُصیبت کا مارا اُن کے پاس آتا تو بِن بتائے سب کچھ سمجھ جاتے اور اُس کی مشکل کا حل بتا دیتے۔ اُن کی شہرت سارے محلّے میں پھیل گئی تھی۔

حمیرا کی پڑوسن نے اُسے پیر بابا کے بارے میں بتایا تو اُس نے کہا "بھئی، مجھے تو اِس قسم کے فقیروں پر بالکل یقین نہیں ہے"۔

"ارے، نہیں۔ یہ بابا تو بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ کل شوکت صاحب کی بیوی گئی تھیں اُن کے پاس۔ اُنھیں اپنی بیٹیوں کی شادی کی فکر کھائے جا رہی ہے" پڑوسن نے کہا۔

"اچھا تو پھر؟" حمیرا نے پوچھا۔

"پیر صاحب فوراً اُن کے دل کی بات سمجھ گئے اور اپنے مُرید کے کان میں کچھ کہا۔ مُرید بولا "پیر جی کہتے ہیں کہ بیٹیوں کی شادی کی فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"حیرت ہے!" حُمیرا نے کہا۔

"تم بھی چلو، اپنے میاں کے بھلکڑپن کا علاج پوچھنا۔ پیر جی کوئی نہ کوئی علاج بتا دیں گے" پڑوسن بولی۔

"فیس کیا ہے اُن کی؟" حمیرا نے پوچھا۔

"فیس کوئی نہیں۔ بس جس کا جو دل چاہے، دے دیتا ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہے" پڑوسن نے بتایا۔

"پھر بھی، کچھ نہ کچھ تو دینا ہی پڑے گا" حُمیرا نے کہا۔

"دس بیس روپے دے دینا" پڑوسن نے کہا۔

"اچھا، میں ماسی کو لے جاؤں گی۔ وہ بے چاری اِن دنوں بہت پریشان ہے۔ اگر اُس کے بارے میں اُنھوں نے سچ بتا دیا تو میں بھی کچھ پُوچھ لوں گی"۔

"آپ کے میاں اِن دنوں کہیں گئے ہوئے ہیں؟" پڑوسن نے پوچھا۔

"جی، وہ شہر سے باہر گئے ہیں۔ دو ایک روز میں آجائیں گے۔ تاکید کر گئے تھے کہ بچّوں کو میلا ضرور دکھانا"۔

دوسرے روز حُمیرا بچّوں کو لے کر میلے گئی۔ ماسی بھی ساتھ تھی۔ بچّے بہت خوش تھے۔ حمیرا نے بچّوں کو آئس کریم کھلائی اور پھر پیر بابا کے پاس گئی۔ اُن کے خیمے میں بہت بھیڑ تھی۔ جب ماسی کی باری آئی تو حسبِ معمول پیر جی نے اپنے مُرید کے کان میں کچھ کہا۔ مُرید نے ماسی کو بتایا "پیر جی کہتے ہیں کہ تمہاری بیٹی کی شادی ہو جائے گی۔ اللہ مدد کرے گا"۔

یہ سُن کر حمیرا حیرت زدہ رہ گئی۔ ماسی دُعائیں دینے لگی۔ اُس نے دس روپے کا نوٹ مُرید کو دیا اور پیچھے ہٹ گئی۔ اب حُمیرا آگے بڑھی۔ پیر بابا نے پھر کچھ مُرید کے کان

میں کہا۔ مُرید بولا:

"بیگم صاحِبہ' آپ اپنے شوہر کی فکر نہ کریں۔ بس اُنہیں ہفتے میں ایک بار کوفتے پکا کر ضرور کھلایا کریں' اور انڈوں کا حلوا بھی۔ اِن شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

حُمیرا نے بھی دس روپے دِیے اور چلی آئی۔ دِل ہی دِل میں حیران ہو رہی تھی کہ پیر بابا کو کیسے پتا چلا کہ میرے میاں کوفتے اور انڈوں کا حلوا شوق سے کھاتے ہیں!

چچا بھلکڑ کو گئے ہفتہ ہوگیا تھا اور وہ ابھی تک نہیں آئے تھے۔ حُمیرا کو خاصی فِکر تھی۔ میلا بھی ختم ہوگیا تھا۔ گھر میں سنّاٹا تھا۔ ماسی آتی تو دو چار باتیں ہو جاتیں۔

"ماسی' کچھ اِنتظام ہُوا؟" ایک دن حمیرا نے پوچھا۔

"نا' بیگم صاحِب جی۔ پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اُوپر والا دیکھ رہا ہے سب" ماسی بولی۔

حمیرا خاموش ہوگئی۔ اُسے ماسی کے یقین پر رشک آیا۔ بیٹی کی رُخصتی میں ایک ہفتہ ہے' ہاتھ خالی ہے اور پھر بھی اِسے اِطمینان ہے۔ واقعی بڑے ہی مضبوط ایمان کی عورت ہے۔ اِسے یقین ہے کہ خدا کوئی نہ کوئی وسیلہ پیدا کر دے گا۔

حمیرا نے کوفتے پکا کر فرج میں رکھے۔ اُس کا خیال تھا کہ آج میاں جی آ جائیں گے اور اُس کا خیال صحیح نکلا۔ شام کو میاں جی آئے۔ بہُت خوش تھے۔ بچّوں کے لیے کھلونے اور کپڑے لائے تھے۔ حمیرا کے لیے بھی دو سوٹ تھے۔ حمیرا بڑی حیران ہوئی۔ بولی:

"اتنا سارا سامان کہاں سے آیا؟"۔

"اللہ دیتا ہے تو چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے۔ بس' میں نے اور مُکرّم نے مِل کر کچھ کاروبار کیا تھا۔ اُس کا مُنافع ہے"۔

"ایسا کون سا کاروبار تھا کہ دس روز میں مُنافع مِل گیا؟"

"تم سے کئی بار کہا ہے کہ سوال مت کیا کرو۔ اور ہاں' یہ لو۔ کچھ رقم ہے' اِس لفافے میں۔ رکھ لو' حفاظت سے"۔

"رقم؟ کتنی ہے اور کہاں سے آئی؟"

"پھر سوال۔ میں نے کہا کہ سوال مت کرو۔ ورنہ پچھتاؤ گی۔ رقم میں نے گِنی نہیں۔ دو ڈھائی ہزار ہوں گے۔ تم گِن لینا"۔

حُمیرا نے لفافہ جُوں کا تُوں الماری میں رکھ دیا۔ رات ہوئی تو چچا بھلکڑ آرام سے سو گئے۔ اُن کے خرّاٹے پورے گھر میں گونج رہے تھے' مگر حمیرا کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ اُس کا ذہن پریشان تھا۔ وہ خوف زدہ بھی تھی۔ یہ ایسے تو نہ تھے۔ نہ کچھ بتاتے ہیں نہ کچھ سُننے کو تیّار ہیں۔ خدا معلوم کیا بات ہے۔

چچا بھلکڑ اِن دنوں بہُت خوش تھے۔ اُن کا مُوڈ عام طور پر اچّھا ہی رہتا۔ بچّوں کے ساتھ خوب کھیلتے۔ اُنھیں باہر گھُمانے بھی لے جاتے۔

اِس بات کو تین دن گُزر گئے۔ ماسی کی کراں خاموشی سے کام کرتی اور چلی جاتی۔ اُس کی رقم کا کوئی اِنتظام نہیں ہُوا تھا۔ اُس سے زیادہ حُمیرا کو فِکر تھی۔

آج شام کھانے میں دال تھی۔ چچا بھلکڑ نے حیرت سے دال کو دیکھا اور پھر بولے "کیوں بھئی' کوفتے ختم ہو گئے کیا؟"

"جی' ختم ہو گئے" حمیرا نے جواب دیا۔

"اور ہاں' تم نے انڈوں کا حلوا کیوں نہیں بنایا؟ پیر بابا نے یہ بھی تو کہا تھا کہ کوفتوں کے عِلاوہ ہفتے میں ایک بار انڈوں کا حلوا بھی میاں کو کھلانا"۔

"ہائیں" حمیرا کا مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔

"آپ کو کیا خبر کہ پیر بابا نے کیا کہا تھا؟ آپ تو یہاں تھے ہی نہیں"۔

چچا بھلکڑ بوکھلا گئے۔ حُمیرا نے غور سے اُن کے چہرے کو دیکھا اور پھر جیسے سب کچھ سمجھ گئی۔

"تو یہ آپ تھے' پیر بابا کے رُوپ میں۔ اور وہ آپ کا دوست مُکرّم مُرید بنا بیٹھا تھا: پیر بابا کے پاؤں میں لال

Scanned by CamScanner

موزے دیکھ کر میں کچھ ٹھٹھکی تو تھی کیوں کہ میرے لال موزے غائب تھے۔ مگر یہ یقین نہ تھا کہ آپ ایسا کر سکتے ہیں"۔

"بیگم، اِس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ مُکرّم کی اِسکیم تھی۔ پھر اس میں حرج بھی کیا ہے؟ ہم نے اچھّی خاصی رقم کمالی۔ آدھی مکرّم لے گیا، آدھی میں لے آیا"۔

"آپ محلّے والوں کو پہچانتے تھے۔ سب کے حالات سے واقف تھے۔ اِس کا آپ نے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ افسوس!"

"اِس میں افسوس کی کوئی بات نہیں۔ لوگوں نے اپنی خوشی سے دیا۔ ہم نے زبردستی نہیں چھینا"۔

حُمیرا کا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ بولی "یہ سب فراڈ ہے۔ ناجائز ہے۔ یہ رقم میں نہیں لُوں گی"۔

"یہ رقم میری ہے۔ میرے بچّوں کی ہے" چچا بولے۔

"یہ رقم آپ کی ہوگی، مگر میرے بچّوں پر خرچ نہیں ہوگی۔ نہ میں خرچ کروں گی"۔

حُمیرا نے فیصلہ سُنا دیا۔ چچا بھلکڑ سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد اُنھوں نے سر اُٹھایا اور بولے "بیگم، میں شرمندہ ہوں۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟"

حمیرا نے کچھ سوچا، پھر اچانک اُس کے چہرے پر مَسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے کہا "اِس کی تلافی ہو سکتی ہے"۔

"وہ کیسے؟"

"یہ رقم ہم ماسی کی کراں کو دے دیں گے۔ اُس کی بیٹی رُخصت ہو جائے گی"۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے" چچا خوش ہو گئے۔

دوسرے روز ماسی کی کراں کے ہاتھ پر حُمیرا نے لفافہ رکھا اور کہا "یہ لو، ماسی۔ پیر بابا نے اپنے مُرید کے ذریعے یہ رقم تمھیں بھجوائی ہے، بیٹی کی رُخصتی کے لیے۔ اور یہ لو، دو سُوٹ، میری طرف سے"۔

ماسی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہ نکلے۔

کافی دن گُزر گئے ہیں۔ محلّے میں آج بھی پیر بابا کو یاد کیا جاتا ہے اور ماسی کی کراں تو دن رات اُنھیں دُعائیں دیتی ہے۔

سمندری بلا

سلیم خاں گمی

بشیر بلوچ بلوچستان کی ایک بندرگاہ گوادر کا رہنے والا تھا۔ وہ غوطہ خور تھا اور سمُندر کے کنارے گودی کے پاس رہتا تھا۔ بندرگاہ کے ایک حصّے کو گودی کہا جاتا ہے۔ اُس کی عُمر 35 سال تھی اور اُس کی بیوی سمّی کی عمر 30 سال۔ اُن کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام احمد تھا۔ اُس کی عمر دس سال تھی اور وہ پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔

جس دن اِسکول میں چُھٹّی ہوتی، احمد اپنے والد کے ساتھ بندرگاہ پر چلا جاتا اور دُوسرے غوطہ خوروں کے ساتھ والد کو غوطہ خوری کرتے ہوئے دیکھتا۔ جہازوں پر جو مال اسباب آتا تھا، اُس میں سے کچھ سامان جہازوں سے اُتارتے ہوئے سمُندر میں گر جاتا۔ غوطہ خور یہ سامان سمندر سے نکال کر گودی پر لا کر ڈھیر کر دیتے اور اُس کی اُجرت وصول کرتے۔ اگر کبھی کام نہ ہوتا تو بشیر بلوچ اپنے بیٹے کو غوطہ خوری کی تربیت دیتا۔ لیکن گہرے پانی میں نہیں، کیوں کہ گہرے پانی میں جان کا خطرہ تھا۔ یہ خطرہ دو طرح کا تھا۔ ایک تو ڈوبنے کا، دوسرے خوں خوار سمُندری جانوروں کے حملے کا۔ معلوم نہیں کس وقت سمندری مچھلی شارک یا سمندری سانپ یا آکٹوپس حملہ کر دے۔

گوادر کی بندرگاہ اگرچہ بے حد اہم تھی، لیکن اُس وقت وہ پُرانی طرز کی تھی۔ اُسے جدید بندرگاہ بنانے کی ضرورت تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ جہاز وہاں آ جا سکیں۔ اِس غرض کے لیے بندرگاہ کا سروے کیا جا رہا تھا اور یہ سروے کرنے والے جاپانی لوگ تھے جنھیں جاپان کی ایک کمپنی نے یہاں بھیجا تھا۔ سروے کا ٹھیکا اِسی کمپنی کے پاس تھا اور سروے کا اِنچارج یاشو موشی تھا۔

ایک دن یاشو موشی سمُندر میں پانی کا سروے کر رہا تھا کہ پانی کی گہرائی اور حجم معلوم کرنے والی مشین کشتی پر سے لُڑھک کر سمُندر میں گر گئی۔ اُسے تلاش کرنے کے لیے اُس نے بشیر بلوچ اور اُس کے چند ساتھیوں کو بُلایا۔ مشین کو تو باہر نکال لیا گیا لیکن بشیر بلوچ غوطہ لگانے کے بعد دو گھنٹے

Scanned by CamScanner

تک باہر نہ آیا۔ یاشو موشی اور بشیر بلوچ کے ساتھی غوطہ خور بہت پریشان ہوئے۔

"میرا خیال ہے، سمندر کی تہ میں اُسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے"۔ ایک غوطہ خور نے کہا۔

"لیکن کیسا حادثہ؟ کچھ پتا تو چلے" تیسرا ساتھی پریشان ہو کر بولا۔

"میرا خیال ہے، شارک نے حملہ کیا ہوگا" ایک بولا۔

"اگر شارک حملہ کرتی تو پتا چل جاتا۔ اِس کے علاوہ سمندر کے اِس حصّے میں کبھی شارک نظر نہیں آئی" دوسرے نے جواب دیا۔

"کوئی اور سمندری جانور ہو سکتا ہے" تیسرے نے کہا۔

"مثلاً کون سا جانور؟ آکٹوپس؟" چوتھے شخص نے پوچھا۔

"ہاں، آکٹوپس ہو سکتا ہے" پہلے نے اپنا شک یقین میں بدل کر کہا۔

دو گھنٹے کے بعد بشیر بلوچ کی لاش پانی کی سطح پر اُبھری۔ اُس کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُسے مشین میں ڈال کر زور سے دبایا گیا ہے۔ سب کو بہت دُکھ ہوا۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ سمّی اور احمد کی زندگی میں اندھیرا چھا گیا۔ سمّی بیوہ ہوگئی اور احمد یتیم۔ لیکن جاپانی کمپنی نے سمّی کے لیے دو لاکھ روپے کی رقم بینک میں جمع کروادی اور طے کیا کہ احمد چار سال کے لیے جاپان جاکر غوطہ خوری کی تعلیم حاصل کرے گا۔ ایک سال وہ جاپانی زبان سیکھے گا اور تین سال کیڈٹ بن کر غوطہ خوری کی ٹریننگ لے گا۔ اُس کا آنے جانے کا کرایہ، چار سال کے اِخراجات، کھانا پینا، کپڑا لتّا سب کچھ کمپنی نے اپنے ذِمّے لے لیا۔ کمپنی نے یہ بھی کہا کہ اگر احمد کا اِرادہ ہُوا تو کمپنی اُس کی مُلازمت کا اِنتظام بھی کر دے گی۔

سمّی پہلے تو احمد کو ٹوکیو بھیجنے کے لیے تیّار نہ ہوئی، لیکن جب بشیر بلوچ کے ساتھیوں نے اُسے سمجھایا تو مان گئی۔ اُس نے سوچا کہ وہ چار سال کسی نہ کسی طرح گزار لے گی اور جب بیٹا واپس آئے گا تو ماشاء اللہ جوان ہوگا۔

"ہفتے میں ایک بار خط ضرور لکھنا" سمّی نے رُخصت ہوتے وقت احمد سے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ضرور لکھوں گا" وہ بولا۔

"دیکھو، بھول نہ جانا" ماں نے پھر تاکید کی۔

"دنیا میں ایک میری ماں ہی تو ہے۔ اور کون ہے میرا؟" احمد نے ماں کے پیروں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ بلوچوں میں رواج ہے کہ وہ احترام کے طور پر اپنے بزرگوں کے پیروں کو چھوتے ہیں۔

احمد نے ٹوکیو میں ایک سال جاپانی زبان سیکھی اور تین سال غوطہ خوری کی ٹریننگ لی۔ اُس کے رہنے سہنے کا انتظام بہت اچھا تھا۔ خوراک بھی عُمدہ تھی۔ وہ باقاعدہ صبح شام

Scanned by CamScanner

ورزش کرتا اور ہفتے میں ایک بار اپنی ماں کو خط ضرور لکھتا تھا۔ مہینے میں ایک بار ماں کی طرف سے بھی اُسے خط ملتا تھا۔

احمد کو معلوم تھا کہ اُس کے والد کی موت کا ذمے دار آکٹوپس ہے، اِس لیے اُس نے آکٹوپس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اُس کا ایک اُستاد سمندری جانوروں یا یوں کہنا چاہیئے کہ سمندری بلاؤں کا ماہر تھا۔ احمد اکثر اُس کے پاس جاتا، جھک کر سلام کرتا اور پھر اُس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ جاتا۔ اُس سے آکٹوپس کے بارے میں سوال کرتا اور جو جواب ملتا اُسے اپنی نوٹ بک میں لکھ لیتا۔

"آکٹوپس کیسا جانور ہے؟" ایک دن اُس نے اپنے اُستاد سے پوچھا۔

آکٹوپس ایک سمندری بلا ہے۔ اُس کے سونڈ جیسے لمبے لمبے بازو ہوتے ہیں۔ یہ بازو اُس کے گول مٹول جسم سے پھوٹتے ہیں" اُستاد نے بتایا۔

"آکٹوپس رہتا کہاں ہے؟" احمد نے دوسرا سوال کیا۔

"گہرے سمندر میں رہتا ہے۔ لیکن پانی کا سرد ہونا ضروری ہے۔ وہ گرم پانی میں نہیں رہتا۔"

"اُس کی خوراک کیا ہے؟" احمد نے سوال کیا۔

"وہ ایک شکاری جانور ہے اور مچھلیاں رغبت سے کھاتا ہے۔ چوں کہ وہ گہرے پانی میں رہتا ہے جہاں مچھلیاں بہت کم ہوتی ہیں، اِس لئے زیادہ تر سیپ اور گھونگے کھاتا ہے۔"

"کیا وہ اِنسان پر بھی حملہ کرتا ہے؟" احمد نے پوچھا۔

"ہاں، میرے بیٹے وہ اِنسان کا جانی دُشمن ہے۔ سمندر کے اندر کسی پہاڑی چٹان کے تاریک غار میں رہتا ہے۔ دن کو سوتا ہے اور جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو غار سے نکلتا ہے۔ غوطہ خوروں کو خاص طور پر ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اُس سے مُحتاط رہیں۔ اگر دن کے وقت کوئی غوطہ خور سوتے ہوئے آکٹوپس کے قریب چلا جائے تو وہ فوراً جاگ اُٹھتا ہے اور غوطہ خور کو اپنی بانہوں میں جکڑ کر مار ڈالتا ہے" اُستاد نے بتایا۔

"کیا اُسے پکڑا جا سکتا ہے، یا مارا جا سکتا ہے؟" احمد نے آخری سوال کیا۔

"کیوں نہیں۔ کئی مُلکوں نے آکٹوپس پکڑے ہیں۔ جاپان کے چڑیا گھر میں ایک آکٹوپس ہے۔ کچھ سال پہلے تک روس کے چڑیا گھر میں بھی آکٹوپس دیکھا جا سکتا تھا ــــ اُس کا نام "موتیا" تھا۔ آکٹوپس کا شکار بہت مُشکل ہے لیکن ناممکن نہیں اُسے معلوم ہو جائے کہ اُس کو شکار کیا جا رہا ہے تو وہ اپنے مُنہ میں بہت سا پانی بھر کر زور سے باہر پھینکتا ہے جس سے ہر طرف جھاگ ہی جھاگ پھیل جاتا ہے اور وہ اِس جھاگ سے پیدا ہونے والی دُھند میں بھاگ جاتا ہے" احمد کے اُستاد نے اُسے بتایا۔

چار سال بعد احمد کی تعلیم و تربیت ختم ہو گئی اور وہ واپس گوادر آ گیا۔ وہ اب تربیت یافتہ غوطہ خور تھا اور اُس کی عُمر 14 سال تھی۔ وہ اپنے ساتھ غوطہ خوری کا سامان بھی لایا تھا۔ یہ سامان اُسے اُس کی کمپنی نے دیا تھا جس کا اب وہ گوادر میں نمایندہ تھا۔ کمپنی چاہتی تھی کہ گوادر کے غوطہ خوروں کو غوطہ خوری کی جدید تعلیم و تربیت دی جائے۔ اِس کام کے لیے کمپنی گوادر میں ایک تربیتی اِسکول کھولنا چاہتی تھی، اور یہ اِسکول احمد کی مدد سے ہی چل سکتا تھا۔ کیوں کہ ایک تو اُس کا والد مشہور غوطہ خور تھا، دوسرے اب وہ خود بھی ایک اچھا غوطہ خور بن چکا تھا۔

احمد گھر آنے کے بعد چند روز تک اپنے دوستوں اور مرحوم والد کے دوستوں سے ملتا رہا۔ پھر ایک دن اُس نے اپنی ماں سے کہا "ماں، میں اپنے والد کا بدلہ لینا چاہتا ہُوں"۔

یہ بات سُن کر اُس کی ماں حیران ہوئی۔ اُس نے پوچھا "کون سا بدلہ، بیٹا؟ مجھے تو کچھ یاد نہیں"۔

"ابا کو جس سمندری بلا نے ہلاک کیا تھا، میں اُس سے بدلہ لینا چاہتا ہُوں" احمد نے کہا۔

"ابھی تک یاد ہے اپنے ابّا کا حادثہ؟" ممی نے پوچھا۔

"میں ابّا کی موت کس طرح بھول سکتا ہوں؟ اُن کی موت نے آپ کو بیوہ اور مجھے یتیم بنا دیا۔ ہم پر مُصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اگر جاپانی کمپنی ہماری مدد نہ کرتی تو معلوم نہیں ہماری کیا حالت ہوتی" احمد نے کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ لیکن اب اُس سمُندری بَلا کو کہاں تلاش کرو گے؟" ماں بولی۔

"سمُندری بَلا وہیں ہوگی جہاں اُس نے ابّا کو قتل کیا تھا۔ سمُندر کے نیچے، گہرے پانی میں، کسی چٹان کے غار میں، اُسے تلاش کرلوں گا" اُس نے کہا۔

"لیکن تم اُسے کس طرح مارو گے؟" ماں نے سوال کیا۔

"میں اُسے مارنے کے لیے جاپان سے ہتھیار لے کر آیا ہُوں۔ تم ذرا فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا" احمد نے اپنی ماں کو تسلّی دی۔

اگلے دن احمد اپنے والِد کے ایک دوست کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر اُس جگہ پہنچا جہاں اُس کے والِد کو حادِثہ پیش آیا تھا۔ اُس کے پاس غوطہ خوری کا وہ لباس تھا جو وہ جاپان سے لایا تھا۔ اُس کے پاس ایک نیزہ نما بندوق بھی تھی جس سے آکٹوپس پر فائر کیا جاتا ہے۔ اِس بندوق میں سے زہر سے بھری ایک سرنج نکل کر آکٹوپس کے جسم میں پیوست ہو جاتی ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اگر زہر زیادہ ہو تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

احمد اور اُس کے والِد کا دوست سارا دن کشتی میں بیٹھے آکٹوپس کو تلاش کرتے رہے۔ احمد نے کئی جگہ غوطہ لگایا، لیکن اُسے آکٹوپس کہیں نظر نہ آیا۔ آخر وہ دونوں شام کو تھک ہار کر واپس آگئے۔

اگلے دن وہ پھر آکٹوپس کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ یہ جنوری کا مہینا تھا اور صبح کا وقت۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سمُندری پرندے ساحِل کے ساتھ ساتھ اُڑتے ہوئے غِذا تلاش کر رہے تھے وہ رات بھر کے بھُوکے تھے، اِس لیے خوب شور مچا رہے تھے۔ سمُندر پُر سکون تھا اور جوار بھاٹا کے آثار دُور دُور تک نظر نہیں آرہے تھے۔ احمد نے غوطہ خوری کا لباس پہنا، بندوق نما ہتھیار پکڑا اور سمُندر کی تہ میں پہنچنے کے لیے کشتی سے چھلانگ لگا دی۔

غوطہ خوری کا جو سامان وہ جاپان سے لایا تھا، اُس کی مدد سے وہ کئی گھنٹے پانی کے نیچے رہ سکتا تھا۔ چُناں چہ وہ سمُندر کی تہ میں جاکر آکٹوپس کو تلاش کرتا رہا۔ کئی قسم کی چھوٹی بڑی مچھلیاں اُس کے اِردگِرد تیر رہی تھیں۔ اِدھر اُدھر سمُندری پہاڑیاں بھی تھیں اور اِن پہاڑیوں پر اُگے ہُوئے درخت اور جھاڑیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ پہاڑیوں میں کہیں کہیں غار بھی دِکھائی دیتے تھے۔

اچانک ایک غار میں سے چار پانچ لمبے لمبے بازو اُس کی طرف لپکے۔ یہ بازو ہاتھی کی سُونڈ کی طرح تھے۔ احمد جاپان کے دارُالحکومت ٹوکیو کے چڑیا گھر میں آکٹوپس دیکھ چکا تھا۔ اِس لیے وہ چوکنّا ہوگیا۔ اُس نے زہریلی سرنج چلانے کے لیے بندوق کو سیدھا کیا، لیکن اِس دوران میں آکٹوپس کا ایک بازو اُس کی کمر کے گِرد لپٹ چکا تھا۔ اِس کے ساتھ ہی دوسرے بازو بھی اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ احمد نے سرنج سے وار کرنا چاہا لیکن اُس کا نشانہ خطا گیا، کیوں کہ اِس اثنا میں آکٹوپس کے بازو اُس کی کمر کے گِرد لپٹ چکے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ دوسرے بازو بھی اُس کی کمر، رانوں اور پنڈلیوں سے لپٹ گئے۔ البتّہ اُس کے دونوں بازو اُن کی گرِفت میں نہ آئے۔ آکٹوپس کے بازو اب احمد کو مُنہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ لیکن وہ گھبرایا نہیں اور تاک کر اُس کے جسم پر فائر کر دیا۔

ایک دم چاروں طرف جھاگ اُڑنے لگا اور پھر دُھند چھا گئی۔ احمد کے جسم کے اِردگِرد لپٹے ہوئے آکٹوپس کے بازو ڈھیلے پڑ گئے اور پھر الگ ہوگئے۔ احمد کو اب جھاگ اور

Scanned by CamScanner

دُھند کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چناں چہ وہ اُوپر سطح کی طرف اُٹھنے لگا۔ جب وہ پانی سے باہر نکلا تو اُس کے والد کا دوست پریشانی کے عالم میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

کشتی میں بیٹھ کر احمد نے کہا "چچا" میں نے آکٹوپس کو دیکھا اور اُس پر وار کیا۔ مگر وہ جھاگ اُڑاتا ہُوا بھاگ گیا"۔

چچا نے دِل ہی دِل میں خُدا کا شکر ادا کیا کہ احمد بچ گیا۔

احمد غوطہ خوری کا لباس اُتار کر سادہ کپڑے پہننے لگا۔ وہ کپڑے پہن رہا تھا کہ اُس کے والد کا دوست بولا "وہ دیکھو، وہ کیا ہے؟"

احمد نے سامنے دیکھا۔ اُس کی کشتی سے چند گز دُور آکٹوپس کا مُردہ جسم سمندر کے پانی پر تیر رہا تھا۔ وہ دونوں اُسے کشتی میں ڈال کر گودی میں لے آئے۔

ٹائی فائڈ بُخار کیا ہے؟

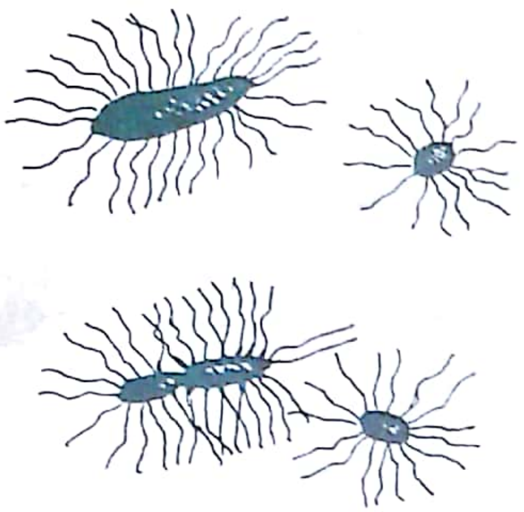

اگر ہم اپنے گھروں اور گلی محلوں کو صاف سُتھرا رکھیں اور گندی سندی چیزیں استعمال نہ کریں تو بہت سی مُوذی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اِن مُوذی بیماریوں میں ایک بیماری ٹائی فائڈ یا میعادی بُخار بھی ہے۔ غریب ملکوں میں جہاں صفائی ستھرائی کا زیادہ انتظام نہیں ہے، ہر سال ہزاروں لوگ اس بُخار کا شکار ہوتے ہیں، اور سینکڑوں مر بھی جاتے ہیں۔

ٹائی فائڈ بُخار ایک قِسم کے جرثُومے (Salmonella Typhosa) سے ہوتا ہے۔ یہ جراثیم غلاظت میں پلتے بڑھتے ہیں اور جو لوگ غلیظ چیزیں استعمال کرتے ہیں، اُن کے جسم میں داخل ہو کر اُن کی آنتوں اور جگر پر حملہ کرتے ہیں۔

بعض لوگ ٹائی فائڈ کے بعد صحت یاب تو ہو جاتے ہیں لیکن اُس کے جراثیم اُن کے جسم میں موجود رہتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے جسم میں داخل ہو کر اُنہیں بیمار کر سکتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو ایک دفعہ ٹائی فائڈ بُخار ہو جائے تو عموماً اُسے پھر کبھی یہ بُخار نہیں ہوتا، اور وہ ہمیشہ کے لیے اس سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ دوسرے تن دُرست لوگوں کو بیمار کر سکتا ہے۔ مکھیاں بھی ٹائی فائڈ کے جراثیم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔

جب کسی شخص پر ٹائی فائڈ کا حملہ ہوتا ہے تو عام طور پر اُس کا جسم بُخار سے تپنے لگتا ہے، سر میں شدید درد ہوتا ہے، سردی لگتی ہے، پسینا آتا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ بُخار عموماً 7، 11، 14، 21 یا 28 دن بعد اُترتا ہے اور 30 دن بعد ٹمپریچر نارمل ہو جاتا ہے۔ مریض کے پیٹ اور سینے پر سُرخ دانے بھی نکل آتے ہیں۔

پُرانے زمانے میں ٹائی فائڈ بُخار سے بچاؤ کی کوئی کارگر دوا نہ تھی۔ لیکن اب ایسا ٹیکا ایجاد ہو گیا ہے جس کے لگانے سے انسان ایک سال تک اس بیماری سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ ٹیکا ہیضے کے ٹیکے کے ساتھ ملا کر بھی لگایا جاتا ہے اور اس طرح ان دونوں بیماریوں سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ عام طور پر برسات کا موسم شروع ہونے پر یہ ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

ہم اور وطن

اشتیاق احمد

جُوں ہی ہمیں چچا جان کے آنے کی اِطلاع مِلی، سب اپنے کمرے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ باجی نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔

"کوئی باہر تو نہیں رہ گیا؟" میں نے پوچھا۔

"پپ پتا نہیں" باجی ہانپتے ہوئے بولیں۔ اُسی وقت باہر سے مُنّے کی آواز آئی:

"ارے! میں باہر رہ گیا ہوں۔ جلدی دروازہ کھولو"۔

باجی نے بوکھلا کر دروازہ کھولا، مُنّے کو پکڑ کر اندر گھسیٹا اور کھٹ سے چٹخنی لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے ہم سب لیٹ کر آنکھیں بند کر چکے تھے۔ کمرے میں مُکمّل خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سب گہری نیند کے مزے لُوٹ رہے ہوں۔

چچا جان جب بھی آتے، ہم یہی کرتے۔ لیکن وہ بھی چچ جان تھے۔ سیدھے ہمارے کمرے کی طرف آتے، درواز زور زور سے دھڑ دھڑاتے اور ایک ایک کو کان سے پکڑ پکڑ کے اُٹھاتے۔ یعنی جاگے ہوؤں کو جگاتے۔ پھر آتی ہماری شامت۔ بات دراصل یہ تھی کہ چچا جان ہمارے ہاں مہینے میں دو بار ضرور آیا کرتے تھے اور آتے ہی ہمارا اِمتحان لین شروع کر دیتے تھے۔

امتحان لینا تو خیر کوئی ایسی بُری بات نہیں، لیکن مُصیبت یہ تھی کہ اُن کے سوال صرف اور صرف وٹامن کے متعلق ہوتے ہیں۔ آج تک انہوں نے وٹامن سے باہر کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

پھر وُہی ہُوا جس کا ڈر تھا۔ دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ تنگ آکر باجی کو اُٹھنا ہی پڑا۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی دروازے تک پہنچیں اور دروازہ کھول دیا۔

"ہائیں! شام کے چار بج رہے ہیں اور تم ابھی تک سو رہے ہو؟ چلو اٹھو۔ زرینہ، انہیں اُٹھاؤ"۔

باجی نے ہمیں آوازیں دینا شروع کیں اور جب ہم میں سے کسی کے کان پر جوں نہ رینگی تو چچا جان کے ہاتھ ہمارے کانوں کی خبر لینے پر اُتر آئے، یہاں تک کہ پانچ منٹ بعد ہم سب امتحان دینے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

"تم بتاؤ زرینہ، وٹامن اے کون کون سی چیزوں میں پایا جاتا ہے؟" چچا جان نے سب سے پہلے باجی سے پوچھا۔

"جی، وٹامن اے"؟ باجی نے حیران ہو کر آنکھیں نکالیں۔

"ہاں ہاں، وٹامن اے؟ کیا تُم بہری ہو"؟

"جی ــــ جی نہیں تو ــــ چچا جان، میں بہری تو نہیں"۔

"تو پھر بتاؤ؟"

"جی؟ کیا بتاؤں؟"

"حد ہو گئی۔ کہہ تو رہا ہُوں، وٹامن اے کے مُتعلق بتاؤ۔"

"وٹامن اے ــــ اے ــــ اے ــــ اے ــــ"۔ باجی نے کہنا شروع کیا۔

"یہ تم نے کیا اے اے کی رٹ لگا دی؟ کسی کو بُلا رہی ہو کیا؟ بس، معلوم ہو گیا تمہیں نہیں آتا"۔

"جی نہیں، آتا ہے۔ میں ذرا سوچ رہی ہوں۔ لیجیے یاد آگیا۔ ہاں تو، وٹامن اے آلوؤں، بینگنوں اور پھول گوبھی، گانٹھ گوبھی وغیرہ میں پایا جاتا ہے"۔

"غلط ــ بالکل غلط ــ" وہ چلّائے، ساتھ ساتھ نمبر بھی نوٹ کرتے جا رہے تھے۔ ہر مرتبہ امتحان لینے کے بعد وہ باقاعدہ نتیجہ سُنایا کرتے تھے اور اوّل آنے والے کو پانچ روپے انعام بھی دیتے تھے۔ اس کے باوجود یہ وٹامن ہمارے حلق سے نہیں اُترتے تھے۔ ہم نے چچا جان سے کتنی ہی مرتبہ گزارش کی کہ انگریزی، اُردو، حساب وغیرہ کا امتحان لے لیا کریں مگر وہ نہیں مانتے تھے۔ انہیں تو وٹامن سے عشق تھا۔

"راشد، تم بتاؤ"۔

"جی ــــ میں ــــ میں کیا بتاؤں؟"

"اُلّو ہو تم ــــ زرینہ نے جس سوال کا غلط جواب دیا ہے، تم اُسی سوال کا جواب دو۔ یعنی وٹامن اے کس کس چیز میں پایا جاتا ہے؟"

"جی بہتر ــــ وٹامن اے..."۔ راشد دبی دبی آواز میں کہنے لگا۔ "جی... یہ... جی یہ... بناسپتی گھی میں پایا جاتا ہے"۔ راشد کو شاید بناسپتی گھی کے ڈبّے یاد آگئے تھے جن پر لکھا ہوتا ہے، وٹامن اے اور ڈی سے بھرپُور۔

"گدھے ہو تم۔ بناسپتی گھی میں تو ہم خود شامل کرتے ہیں۔ سُنو ــــ وٹامن اے انڈوں، دودھ، کریم، گھی اور مچھلی کے جگر کے تیل میں پایا جاتا ہے۔ اچھا گڈّو، یہ بتاؤ کہ وٹامن اے کے فائدے کیا ہیں؟"

"وٹامن اے کے فائدے؟ جہاں تک میرا خیال ہے..." گڈّو نے کہنا شروع کیا۔

"اپنا خیال نہیں ــــ وٹامن اے کے وہ فائدے بتاؤ جو کہ اُس کے ہیں"۔

"جی اچھا۔ وٹامن اے جسم کو بڑھاتا اور پھیلاتا ہے"۔

"بالکل ٹھیک ــــ اور؟"

"اور ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے"۔

"بالکل غلط ــــ سُنو ــــ آنکھوں کی حفاظت کرتا

Scanned by CamScanner

ہے۔ انہیں بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اچھا، اب مُنّا بتائے گا کہ وٹامن بی کے فائدے کیا ہیں"۔

"آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ وٹامن بی کس کس چیز میں پایا جاتا ہے؟" مُنّے نے اپنی ٹانگ اَڑائی۔

"جو پوچھا ہے، اُس کا جواب دو"۔

"جی اچھا ـــــ وٹامن بی ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط کرتا ہے"۔

"بالکل بکواس ـــــ رضیہ، تم بتاؤ؟" اُنھوں نے چھوٹی بہن سے پوچھا۔

"خوراک کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے، خون کی کمی کو دور کرتا ہے، رگوں اور پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے"۔

"بہت خوب! اور کیا کام کرتا ہے"؟

"جی، کیا یہ اور بھی کام کرتا ہے؟" رضیہ نے کہا۔

"ہاں، دِل کو طاقت دیتا ہے۔ تم نے بھی آدھا سوال ٹھیک بتایا ہے"۔

"اب تم بتاؤ" اُنھوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "وٹامن سی کن چیزوں میں پایا جاتا ہے"؟

"جی، وٹامن سی ـــــ" میں نے گھبرا کر کہا کیوں کہ میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا۔

"ہاں، وٹامن سی"۔

"وٹامن سی سی ـــــ سی ـــــ سی ـــــ" میں نے سوچنا شروع کیا۔

"یہ تم سی سی کیوں کر رہے ہو؟ کیا کوئی مرچوں والی چیز کھالی ہے؟"

"جی نہیں۔ سوچ رہا تھا۔ ہاں تو، وٹامن سی سبز پتوں والی ترکاریوں اور دالوں میں پایا جاتا ہے"۔

"ایک دم نالائق۔ زرینہ، تم بتاؤ۔ سوچ کر بتانا۔ تم نے پہلا سوال غلط بتایا تھا"۔

"جی ـــــ جی ہاں ـــــ وٹامن سی مچھلی کے جگر کے تیل میں اور انگوروں میں پایا جاتا ہے"۔

"اور تمہارے سر میں بھوسا پایا جاتا ہے" وہ جل کر بولے "گڈو، تم بتاؤ"۔

"جی چچا جان۔ وٹامن سی لیموں، ٹماٹر اور سنگتروں میں پایا جاتا ہے"۔

"بہت اچھے! رضیہ تم بتاؤ۔ اِس کے فائدے کیا ہیں؟"

"جی وٹامن سی کے؟" رضیہ نے گڑبڑا کر پوچھا۔

"اور کیا تمہارے فائدے پوچھ رہا ہوں؟"

"جی، وٹامن سی کھال کو محفوظ رکھتا ہے، خون پیدا کرتا ہے اور...."

"بس بس۔ معلوم ہوگیا تم کتنی لائق ہو۔ مُنّے، تم بتاؤ؟"

"جی وہ ـــــ ہاں جی ـــــ جی ہاں" مُنّے نے کہنا شروع کیا۔

"یہ تم فائدے بتا رہے ہو؟" چچا جان نے اُسے گھورا۔

"یہ.... یہ مسوڑھوں کو خراب ہونے سے بچاتا ہے"۔

"اچھا، ٹھیک ہے۔ اور؟"

"اور.... اور...."۔

"نہیں آتا؟ اچھا، شوکی، تُم بتاؤ؟" اُنھوں نے مجھے گھورا۔

"جسم کی نشوونما کے لیے مُفید ہے اور دماغ کے لیے بھی" میں نے تیزی سے کہا۔

"بکواس ـــــ آنتوں کے لئے مُفید ہے ـــــ اچھا رضیہ، تم بتاؤ۔ وٹامن ڈی کن چیزوں میں پایا جاتا ہے؟"

"وٹامن ڈی مچھلی کے جگر میں پایا جاتا ہے"۔

"بہت خوب! اور نہیں معلوم؟ اچھا، راشد، تم بتاؤ"؟

"یہ یہ جی یہ دھوپ میں بیٹھنے سے جسم میں خود بخود پیدا ہو جاتا ہے"۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ اچھا گڈو، اِس کے فائدے بتائے گا، کیوں کہ گڈو تم سب میں لائق ہے"۔

"جی، وٹامن ڈی کے فائدے؟ یہ ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے"۔

"بالکل ٹھیک۔ اچھا اب ۔ ۔ ۔ ۔"
"چچا جان" منّے کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اُن کے جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی بول اُٹھا۔
"کیا بات ہے؟"
"آج آپ ہماری ایک خواہش پوری کر دیں" منّے نے کہا۔
"وہ کیا؟"
"آج ہم سب کو حساب کا ایک سوال لکھوا دیں"۔
"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" چچا جان بولے۔
"کیوں؟ ہو کیوں نہیں سکتا؟"
"بھئی، تم سب الگ الگ جماعتوں میں پڑھتے ہو"۔
"تو کوئی ایسا سوال لکھوا دیں جو ہم سب نکال سکیں"۔
"اچھّا۔ لکھو، ایک سوال"۔
ہم خوش ہوگئے، کیوں کہ وٹامن سے پیچھا چھوٹ رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ چچا جان حساب کا سوال لکھوا رہے تھے۔ جلدی جلدی ہم نے کاغذ اور قلم سنبھال لیے اور الگ الگ بیٹھ گئے۔ اچانک چچا جان کی آواز کمرے میں گونجی اور ہم لکھنے لگے :
"اگر ایک لیمُوں میں سے ایک ماشہ وٹامن سی نکلتا ہو تو 50,000 لیموؤں میں سے کتنا وٹامن سی نکلے گا؟ وٹامن سی کا وزن سیروں میں بتاؤ"۔
ہماری خوشی دھری کی دھری رہ گئی۔ چچا جان پھر چچا جان ٹھہرے۔ اُنھوں نے حساب کے سوال میں بھی وٹامن شامل کر دیا تھا اور ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم حساب کا سوال حل نہیں کر رہے ہیں بلکہ سیروں کے حساب سے وٹامن سی کھا رہے ہیں۔

پیٹ میں کیچوے کیسے ہو جاتے ہیں؟

کیچوے (ملپ) ایک قسم کے کیڑے ہیں جو جان داروں کی آنتوں میں رہتے ہیں۔ انہیں طُفیلی کیڑے کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ اُس جان دار کی زیادہ تر خوراک خود کھا جاتے ہیں اور وہ جان دار روز بہ روز کم زور ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس جان دار کے جسم میں یہ طُفیلی کیڑے رہتے ہیں وہ اِن کیڑوں کا میزبان کہلاتا ہے۔

کیچوؤں کا میزبان عموماً ریڑھ کی ہڈّی والا کوئی جان دار ہوتا ہے، مثلاً مچھلی، کُتّا یا آدمی۔ کیچوے کے سر پر چوڑی ٹکیاں سی ہوتی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے میزبان کی آنتوں کی دیواروں سے چمٹا رہتا ہے۔ اُس کی نہ آنکھیں ہوتی ہیں نہ کان۔

اُس کے عضلات (پٹھے) تقریباً بے کار ہوتے ہیں اور اُس کا اعصابی نظام بھی بہت دقیانوسی قسم کا ہوتا ہے۔ مُنہ، پیٹ اور آنتیں بھی نہیں ہوتیں۔ وہ اپنے جسم کی کھال کے ذریعے میزبان کی خوراک اپنے جسم میں جذب کرتا ہے۔

کیچوؤں کی کئی قسمیں ہیں۔ یہ 0.1 ملی میٹر سے 9 میٹر تک لمبے ہوتے ہیں۔ اِن کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ہر کیچوا نَر بھی ہوتا ہے اور مادہ بھی۔

کیچوے انسان کی آنتوں میں کیسے داخل ہوتے ہیں؟
کیچوے گھاس میں انڈے دیتے ہیں۔ یہ گھاس بھیڑ بکریاں کھاتی ہیں تو انڈے اُن کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر آنتوں کی دیواروں میں سے ہوکر جسم کے دوسرے حصّوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اِن بھیڑ بکریوں کا گوشت (جو پُورا پکّا نہ ہو) کھالے تو اُس کے پیٹ میں بھی کیچوے ہو جاتے ہیں۔

پھلوں اور کچّی سبزیوں میں بھی کیچوؤں کے انڈے ہو سکتے ہیں۔ اِس لیے گاجر، مولی اور سلاد وغیرہ خوب دھو کر کھانا چاہیے۔ گندی جگہ ننگے پاؤں چلنے سے بھی کیچوے کے انڈے جسم میں پہنچ جاتے ہیں۔

اگر کوئی بچّہ بے تحاشا کھاتا ہو، پھر بھی اُس کی بھوک کم نہ ہوتی ہو، چہرہ زرد پڑگیا ہو، آنکھیں بے رونق ہوں تو اِس کا مطلب ہے کہ اُس کے پیٹ میں کیچوے ہیں۔ اُسے فوراً ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ ڈاکٹر کی دی ہوئی دوا کی دو تین خوراکوں سے سارے کیچوے نکل جائیں گے۔ (س۔ل)

Scanned by CamScanner

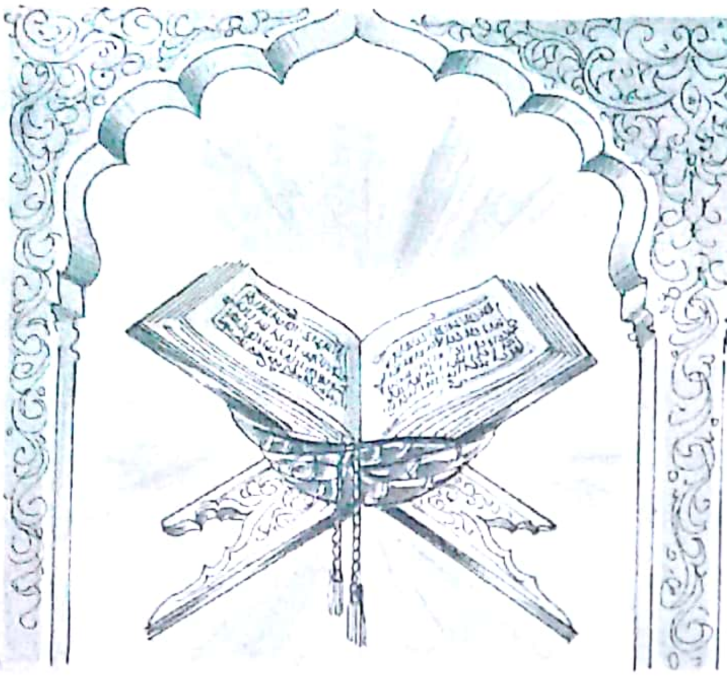

ڈاکٹر عبدالرؤف

درسِ قرآن

تکبّر اور غرور بہت بُری بات ہے

بچّوں کے لیے درسِ قرآن میں ہمارا آج کا موضوع ہے "تکبّر اور غرور بہت بُری حرکت ہے"۔

ملاحظہ فرمایئے پارہ نمبر 14، سورت نمبر 16 کی آیت نمبر 23 کا یہ آخری جملہ:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ

اِس قرآنی جملے کا لفظی ترجمہ یوں ہے: بے شک وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) غرور اور تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

بعض بچّوں اور کئی بڑوں کو بھی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی برتری جتلانے کے لیے غرور، تکبّر اور شیخی کی فضول باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اِسکول میں بعض بچّے اِس طرح کی ڈِینگیں مارتے رہتے ہیں: ہمارے باپ دادا بہت بڑے لوگ تھے۔ ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ میں بڑی کار میں بیٹھ کر اِسکول آتا ہوں۔ میرے پاس کھِلونوں کا بڑا قیمتی سامان ہے۔ ہماری کوٹھی بڑی شاندار ہے۔ میرے ابّو بہت بڑے زمیندار ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اِس طرح کی شیخیاں مارنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ تکبّر اور غرور ایسی بِلاؤں کا شکار بچّہ بے وقوف سا دکھائی دینے لگتا ہے اور باقی بچّے اُس کی ڈِینگوں سے بور ہو کر اُس سے کترانے لگتے ہیں۔

تکبّر، غرور اور شیخی بہت بُری بات ہے۔ اِس سے شخصیّت اور کردار بگڑ جاتے ہیں اور تعمیر و ترقّی کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے تکبّر اور غرور سے بار بار منع فرمایا ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے بھی ایسی بُری باتوں سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

اگر آپ اِس اہم موضوع پر اپنے عِلم میں مزید اضافہ چاہتے ہوں تو قرآنِ مجید کی اِن آیات کا مُطالعہ بھی کریں:

(1) پارہ 5، سورت 4، آیت 36

(2) پارہ 6، سورت 4، آیت 173

(3) پارہ 15، سورت 17، آیت 37

(4) پارہ 21، سورت 31، آیت 18۔

آپ کو یقیناً بہت لُطف آئے گا اور معلومات میں مُفید اضافہ بھی ہو گا۔

دانائی کی باتیں

اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبّت نہیں کرتا؟

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

سنہری چڑیا نے کہا:

پیارے بچّو! جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں سے محبّت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے محبّت کرتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ بات میں آپ کو کھول کر بتا چکی ہوں۔ آج میں آپ کو یہ بتاؤں گی کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبّت نہیں کرتا۔

پیارے بچّو! کام یاب اور خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن سے ربِّ رحمان محبّت کرے اور اُن کو اپنا دوست بنائے۔ بخلاف اِس کے، نامُراد، ناکام اور بد قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن سے وہ نفرت کرے۔

یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو خوف تنگ کرتا ہے نہ غم، بلکہ وہ خوش خوش زندگی بسر کرتے ہیں۔ آخرت میں بھی وہ جنّت میں جائیں گے، جہاں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے مہمان بن کر رہیں گے۔ اُن کو وہاں پر اچھّی سے اچھّی چیز، جو وہ چاہیں گے، فوراً ملے گی۔ اِس کے عِلاوہ بھی ربِّ رحمان اُن کو اپنی طرف سے ایسی لذیذ و خوب صورت نعمتیں عطا کرے گا، جن کا کوئی آدمی اِس دنیا میں تصوُّر تک نہیں کر سکتا۔

اِس کے برعکس، جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے، اِس دنیا میں بھی اُن کو خوف ستاتا رہتا ہے اور وہ غم کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ پھر آخرت میں وہ اپنے اعمال کی پاداش میں دوزخ میں بھیجے جائیں گے، جس کی آگ میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

اب میں آپ کو بتاتی ہوں کہ قرآنِ مجید کی رُو سے وہ کون لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبّت نہیں کرتا۔

1۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبّت نہیں کرتا (آلِ عِمران 3 : 57)۔ سب سے بڑے ظالم وہ لوگ ہیں جو شِرک کرتے ہیں۔ پھر وہ جو اللہ کے بندوں کے حقوق نہیں دیتے۔ اُن کی محنت کی کمائی چھین لیتے ہیں، اُن کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں، اور اُن کی عزّت و ناموس برباد کرتے ہیں۔ اِس کے عِلاوہ جو فتنہ و فساد پھیلاتے اور تخریب کاری کرتے ہیں۔

2۔ کافر بھی ظالم ہیں (آلِ عِمران 3 : 32) اِسلام سچّا اور اللہ کا پیارا دین ہے۔ اِس کے ماننے والے عزّت و آبرُو، امن و سلامتی اور اِطمینان سے پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن جو دینِ اسلام کو نہیں مانتے، وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اُن کو اِطمینان نصیب نہیں ہوتا، بلکہ اُن کے دل خوف و غم کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے نفرت کرتا اور اُن پر لعنت بھیجتا ہے۔ الغرض، کافر دوزخی ہوتے ہیں۔ وہ ایمان کے بجائے کُفر اور جنّت کے بجائے دوزخ خرید کر گھاٹے کا سودا کرتے ہیں۔ اِس طرح اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اِس بنا پر اللہ تعالیٰ کافروں کو ظالم کہتا ہے۔

3۔ مُتکبِّر بھی ظالم ہوتے ہیں (النّحل 16 : 23) تکبُّر کے معنی ہیں اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو چھوٹا یا حقیر سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے کہ میں نے انسان کو عزّت والا بنایا ہے۔ لہٰذا انسان چاہے غریب، مُحتاج، یتیم، مزدور، ملازم اور کم زور کیوں نہ ہو، اُس کی عزّت کرنا فرض ہے۔ جو لوگ اُس کی عزّت نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ظالم ہیں۔

Scanned by CamScanner

4- مُفسِد بھی ظالم ہیں (البقرہ 2 : 205) : قرآنِ مجید کی رُو سے مُفسِد یعنی فساد کرنے والے کئی طرح کے ہیں۔ مثلاً تجارتی مُفسِد، جو کم تولتے اور کم ناپتے ہیں۔ چیزوں میں مِلاوٹ کرتے ہیں۔ خاص کر کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے والے لوگوں کی صحّت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

سیاسی مُفسِد : قرآنِ مجید کی زبان میں اِن کو فرعون، ہامان اور قارُون کہتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے بجائے اپنے بنائے ہوئے قوانین سے حکومت کرتے ہیں۔ رعایا کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ اُن کی روزی، روزگار، تعلیم و تربیت، علاج مُعالجے، عدل و اِنصاف، وغیرہ وغیرہ کا معقول بندوبست نہیں کرتے۔ رعایا کی عزّت و ناموس اور جان و مال کی حفاظت کا اِنتظام نہیں کرتے۔

عسکری مُفسِد : جو دُشمنوں کو اپنے ملک کے دِفاع اور قُوّت وغیرہ کے راز بتاتے ہیں۔

تعلیمی مُفسِد : ایسے لوگ جو درس گاہوں میں دنگا فساد کرتے اور اساتِذہ کی حکم عُدولی کرتے ہیں۔

5- اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے مُحبّت نہیں کرتا (الانعام 6 : 141) : ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مال و دولت کا مالک نہیں، امین ہوتا ہے، اور اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ چُناں چہ اُس کا حکم ہے کہ ہم اُس کی امانت کو اُس کی مرضی یا حکم کے مُطابق خرچ کریں۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے، وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ فضول خرچی بھی امانت میں خیانت کرنا ہے، اِس لیے فضول خرچ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیطان سے نفرت کرتا اور اُس پر لعنت بھیجتا ہے۔ بُرے کاموں پر دولت خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔ اِسی طرح بے فائدہ چیزوں پر پیسہ خرچ کرنا بھی فضول خرچی ہے۔ عربی میں فضول خرچی کو "اِسراف" اور فضول خرچ کو "مُسرِف" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مُسرِف سے محبّت نہیں کرتا، بلکہ نفرت کرتا ہے۔

6- خیانت کرنے والوں سے بھی اللہ محبت نہیں کرتا (الانفال 8 : 58) : جو دُکان دار یا تاجر گاہکوں کو چیزیں کم دیتے ہیں، کم تولتے اور کم ناپتے ہیں، قیمت اچھی چیزوں کی لیتے ہیں اور گاہک کو بُری چیزیں دیتے ہیں یا چیزوں میں ملاوٹ کر کے بیچتے ہیں، وہ سب خیانت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امانت میں خیانت کرنا، گناہ ہے۔ اِس لیے وہ اُن سے محبّت نہیں، نفرت کرتا ہے۔

بچّو! یاد رکھو، خیانت انسان کو بد دیانت، بے ایمان اور لعنتی بناتی ہے۔ اِس کے برعکس امانت و دیانت انسان کو نیک اور اللہ تعالیٰ کا دوست بناتی ہے۔

7- اللہ شیخی خورے سے محبّت نہیں کرتا (النساء 4 : 36) : بچّو! مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور اپنی بڑائی جتانے کا صرف وہی حق دار ہے۔ دنیا کے سارے انسان اُس کے محکوم، غلام، مُحتاج اور دست نگر ہیں۔ اِس لیے کسی شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی بڑائی کرے یا شیخی مارے۔ ایسا کرنا اللہ کی برابری کا دعویٰ کرنا ہے اور دوسرے انسانوں کو چھوٹا اور حقیر سمجھنا ہے۔ یہ بات اللہ میاں ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگ اوچھے اور کم ظرف ہوتے ہیں، اِس لیے اللہ تعالیٰ شیخی بگھارنے اور اپنی بڑائی کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔

8- دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے والوں سے اللہ محبّت نہیں کرتا (البقرہ 2 : 190) : ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تمام بنی نوعِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے ساتھ زیادتی کرے، اُس کا حق مارے یا اُس کی بے عزّتی کرے یا اُس کے ساتھ دغا کرے۔ ہمارا دین اسلام دوسروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے اور اُن کی عزّت و تکریم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے اِس اِرشاد پر عمل کرنا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔

Scanned by CamScanner

شیخو بابا

کسی خاص کیفیت کی کہانی

نظر زیدی

بابُو جمالُ الدّین آج دفتر سے آئے تو سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نہ اُنھوں نے اپنی چہیتی بیٹی بانو کو آواز دی' نہ بیوی سے کوئی بات کی۔اِس طرح گھر میں داخل ہونا اور سیدھے اپنے کمرے میں چلے جانا اُن کی عادت کے خلاف تھا۔ بہت تھکے ہوئے ہونے کی صورت میں بھی وہ کچھ دیر بانو سے باتیں ضرور کرتے تھے' بیوی کا حال اَحوال پُوچھتے تھے اور پھر اپنے کمرے میں جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بانو سوئی ہوئی ہوتی تو بیوی کے منع کرنے کے باوجود اُسے جگا دیتے۔ آج یہ نِرالی بات ہوئی تو بیوی بہت حیران ہوئیں۔ وہ باورچی خانے کے سامنے بیٹھی آٹا گُوندھ رہی تھیں۔ ہاتھوں پر لگا ہُوا آٹا صاف کرتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہُوئیں اور کمرے میں آکر بولیں:

"خیریّت تو ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں' ٹھیک ہی ہوں۔ بس ذرا طبیعت کچھ اُداس سی ہے" بابُو صاحِب نے پلنگ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

بیوی کُرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں "آج تو آپ کو اُداس نہیں ہونا چاہیئے۔ آج تو ماشاء اللہ ہمارے شیخُو بابا کا نتیجہ آ

"ہمیں معلوم ہے۔ لیکن ہم اُداس اِس لیے ہیں کہ اِس سے پہلے ہمارا نتیجہ آگیا ہے"۔

"آپ نے بھی کوئی اِمتحان دیا تھا؟"

"اِمتحان تو نہیں دیا تھا لیکن ہمیں ہمارے دُشمنوں نے جس اِمتحان میں ڈال رکھا ہے' اُس کا نتیجہ آج آگیا ہے۔ خدا سے دُعا کرو کہ وہ ہماری مدد کرے" یہ کہ کر بابُو صاحِب نے رُومال سے آنکھیں پونچھیں اور ٹھنڈا سانس لے کر کروٹ بدل لی۔

بیوی اُن کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئیں' کُرسی آگے کھِسکاتے ہُوئے بولیں "اللہ خیر کرے! آپ تو بہت زیادہ پریشان لگ رہے ہیں۔ کیا دفتر میں کوئی خاص بات ہوئی ہے؟"

"دفتر میں تو نہیں' لیکن ہماری زندگی میں ایک خاص بات ضرور ہوئی ہے۔ ہمارے مہربان چودھری صاحب آخر اپنی اِس کوشش میں کام یاب ہوگئے کہ ہمیں مُجرِم ثابت کر کے جیل بھجوا دیں۔ تم یوں کرو' سُوٹ کیس میں کپڑوں کے دو چار جوڑے اور چند ضروری چیزیں رکھ دو۔ ہم گرفتار ہونا نہیں چاہتے۔ کچھ دن کہیں چھپے رہیں گے اور اگر

حالات ٹھیک ہو گئے تو گھر لوٹ آئیں گے۔ نہ ٹھیک ہوئے تو تمہیں اور بچّوں کو خدا کے سپُرد کیا"۔

"ہائے اللہ ! یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟ میں ابھی اس موئے چودھری کی بیوی سے بات کرتی ہوں۔ کوئی ہمسایوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتا ہے؟ اگر شیخُو بابا سے اُس کے بیٹے کا جھگڑا ہو گیا تھا تو کون سی قیامت آگئی تھی۔ بچّوں میں ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں"۔

"تم فضول باتوں میں مت اُلجھو۔ جو ہم نے کہا ہے' وہ کرو۔ یہ بات ہمارے لیے موت سے بدتر ہوگی کہ پولیس ہتھکڑیاں لگا کر تھانے لے جائے اور پھر مار پیٹ کر یہ اقرار کرائے کہ ہم واقعی ہیروئن بیچتے ہیں"۔

"تو کیا اُس نامُراد نے آپ پر ہیروئن بیچنے کا الزام لگایا ہے؟"

"الزام ہی نہیں لگایا' الزام ثابت بھی کر دیا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے جو پولیس میں مُلازم ہے' ہمیں بتایا ہے کہ ہمارے وارنٹ نکل چکے ہیں اور پولیس ہمیں گرفتار کرنے کے لیے آنے ہی والی ہے۔ تم جلدی سے سوٹ کیس تیار کر دو۔ ہم فوراً جانا چاہتے ہیں"۔

"لیکن آپ جائیں گے کہاں؟"

"جہاں خدا لے جائے گا۔ اِس وقت تو ذہن میں بس یہی بات ہے کہ ہمیں فوراً یہاں سے چلے جانا چاہیئے"۔

"لیکن اس طرح تو ثابت ہو جائے گا کہ آپ واقعی مجرم ہیں۔ آپ اپنے گھر رہیئے۔ میں آپ کو کہیں نہ جانے دوں گی۔ چودھری نے چاند پر تھوکا ہے۔ اِن شاء اللہ اُس کا تھوکا اُسی کے مُنہ پر گرے گا۔ آخر خدا موجود ہے۔ اُس کے ہوتے ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"اس زمانے میں سب کچھ ہو سکتا ہے' بیگم۔ تم ہمارا کہا مانو اور جلدی سے سوٹ کیس میں ضروری چیزیں رکھ دو"۔

"آپ کچھ بھی کہیں' میں آپ کو جانے نہ دوں گی۔ میں اپنے بھائی صاحب سے یہ بات کرتی ہوں۔ اللہ کے فضل سے وہ ایک بڑے تاجر ہیں۔ تھانے جاکر پولیس سے ملیں گے"۔

"تمہاری کوئی کوشش کام یاب نہ ہوگی' بیگم۔ پولیس سے مِل کر ہی تو اُس شیطان نے یہ سارا چکّر چلایا ہے"۔

"خیر' میں آپ کو گھر سے تو ہرگز نہ جانے دوں گی۔ یہ تو خود مُجرم بن جانے والی بات ہوگی۔ جو سُنے گا' یہی کہے گا کہ اگر بابُو صاحب بے گُناہ ہوتے تو گھر سے کیوں بھاگتے۔ میں ابھی بھائی صاحب کے پاس جا رہی ہوں"۔

بیوی کی یہ بات سُن کر بابُو صاحب خاموش ہو گئے اور بیوی بُرقع اوڑھ کر باہر نکل گئیں۔

بابُو صاحب کی بیوی کے بھائی حاجی علیم الدّین بہُت امیر آدمی تھے۔ شہر کے سب سے بڑے اور مشہور بازار میں اُن کی بہُت بڑی دُکان تھی۔ حاجی صاحب اب زیادہ تر گھر پر ہی رہتے تھے۔ دُکان اُن کے بیٹے چلا رہے تھے۔

بہن کو دیکھا تو حاجی صاحب چونک کر بولے "ارے ! گڈّو بہن۔ تم' اِس وقت اور اکیلی؟ خیریّت تو ہے؟"

"خیریّت کہاں ہے' بھائی جان۔ بڑی سخت مُصیبت میں پھنس گئے ہیں ہم لوگ"۔

"اللہ پاک تمہاری حفاظت فرمائے' عزیز بہن۔ آؤ' یہاں ہمارے پاس بیٹھو اور ہمیں پوری بات بتاؤ۔ کہیں وہ تمہارے ہمسائے چودھری والا جھگڑا تو نہیں ہے؟"

"جی' وُہی ہے۔ اُس شیطان نے پولیس سے مِل کر بابُو جی کے وارنٹ نکلوا دیے ہیں۔ الزام لگایا ہے کہ وہ ہیروئن بیچتے ہیں"۔

"لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہ" حاجی صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے' سر جُھکا کر کچھ دیر سوچتے رہے' پھر بولے "یہ تو بہُت زیادتی ہے۔ ایسے شریف آدمی پر ہیروئن جیسی ناپاک چیز بیچنے کا الزام لگاتے ہوئے اُس کو شرم نہ آئی؟ ویسے گڈّو بہن' اِس میں کچھ قصُور تم لوگوں کا بھی ہے۔ جب معلوم تھا کہ ہمسایہ شریف آدمی نہیں ہے تو اپنے بیٹے کو

Scanned by CamScanner

روکا کیوں نہیں؟ اُس کے بیٹے کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہے؟ اور اگر اُن دونوں میں لڑائی ہوئی تھی تو تمہارے بابو صاحب کیوں کود پڑے اس لڑائی میں؟ بچوں کی لڑائی میں بڑوں کو نہیں بولنا چاہیے"۔

"بھائی جان" وہ کہاں بولے بچوں کے جھگڑے میں۔ وہ تو اُس وقت آگے آئے جب اُس چودھری نے شنو کو مارا۔ حال آں کہ زیادتی سراسر اُس کے بیٹے کی تھی۔ آپ جانتے ہیں۔ شنو غریب تو اللہ میاں کی گائے ہے۔ لڑنا جھگڑنا جانتا ہی نہیں"۔

حاجی صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے شنو بولا "ماموں جان" امّی نے کہا ہے جلدی گھر آجائیں۔ پولیس والے ابّاجی کو تھانے لے گئے ہیں"۔

"اوہ!" حاجی صاحب نے گھبرا کر کہا "اچھا بیٹے" ہم تھانے پہنچ رہے ہیں۔ تم گھبرانا مت۔ تمہاری امّی گھر آرہی ہیں۔" اُنھوں نے ریسیور رکھ دیا اور اُٹھتے ہوئے بولے "گڈو" تم جلدی گھر پہنچو"۔

حاجی صاحب کار میں بیٹھ کر تھوڑی دیر بعد ہی تھانے پہنچ گئے۔ وہاں ایک حوال دار میز پر جُھکا کچھ لکھ رہا تھا۔ حاجی صاحب نے سلام کیا تو اُس نے جواب بھی نہ دیا اور نہ اُن کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے ایک خالی کُرسی پر بیٹھ گئے۔

حوال دار کافی دیر اِسی طرح سر جُھکائے لکھتا رہا۔ پھر سر اُٹھا کر بڑے غرور سے بولا "فرمایئے؟ کیسے تشریف لائے؟"

"آپ کے آدمی کچھ دیر پہلے بابو جمال الدّین صاحب کو تھانے لائے ہیں"۔

"پھر؟ آپ کو کچھ اعتراض ہے اُسے یہاں لانے پر؟" حوال دار نے کہا۔

"جی" اعتراض تو ہے۔ آپ ایک شریف آدمی کو پکڑ

لائے ہیں۔ یہ کچھ اچھی بات نہیں۔ مہربانی کر کے اُنہیں چھوڑ دیجیے"۔

"وہ جیسا شریف آدمی ہے، ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ اپنی شرافت کی حفاظت کیجیے اور یہاں سے چلے جائیے۔ ایسا نہ ہو آپ کو بھی حوالات میں بند کرنا پڑے"۔

"آپ کو عزّت دار شہریوں کے ساتھ اِس طرح بات نہیں کرنی چاہیے، حوالدار صاحب" حاجی صاحب کی آواز میں کسی قدر غصّہ تھا۔

حوالدار اُنہیں گھورتے ہوئے بولا "یقین ہے آپ بھی ویسے ہی عزّت دار ہوں گے جیسا وہ ہیروئن فروش ہے۔ چور کا گواہ گرہ کٹ۔ نُور بخشا! ذرا دیکھنا تو اِس گروہ کے لوگوں کی تصویروں میں اِن عزّت دار صاحب کی تصویر تو شامل نہیں؟"

"بہتر حضُور، ابھی دیکھتا ہوں" ایک سپاہی نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ سپاہی کے ساتھ ہی حاجی صاحب بھی کُرسی سے اُٹھ گئے اور تیز آواز میں بولے "لگتا ہے پولیس میں بھرتی کرنے والوں سے غلطی ہوئی ہے جو آپ کو اِس محکمے میں بھرتی کرلیا ہے۔ میں ابھی اُوپر کے افسروں سے ملتا ہوں اور اُنہیں بتاتا ہوں کہ تھانے میں کس قسم کے لوگ بیٹھے ہیں"۔

"اچھا، یہ بات ہے؟ تو اُوپر کے افسروں سے ملے گا؟ لیکن یہ تو اُس وقت ہوگا جب تو یہاں سے جائے گا۔ انور علی! بند کرو اِس بُڈّھے کو بھی اُس غُنڈے کے ساتھ"۔

ایک موٹا تازہ سپاہی حاجی صاحب کی طرف بڑھا، لیکن اِس سے پہلے کہ وہ اُن کا ہاتھ پکڑتا، تھانے دار صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور بولے "کسے حوالات میں بند کرا رہے ہو، حوالدار صاحب؟"

"مجھے، جناب" حاجی صاحب نے آگے بڑھ کر کہا۔

"جی، میں نے اِسی کو حوالات میں بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ آج ہم نے ہیروئن بیچنے والوں کے سردار کو پکڑا ہے، اور یہ اُس کا ساتھی ہے" حوالدار کُرسی سے اُٹھتے ہوئے بولا۔

تھانے دار صاحب آگے بڑھ کر اُس کرسی پر بیٹھ گئے جس پر حوالدار بیٹھا تھا اور میز پر بکھرے ہوئے کاغذ سمیٹتے ہوئے بولے "تو گویا آپ اپنے زمانے کے شرلاک ہومز بن گئے ہیں، اور بڑے بڑے کارنامے انجام دینے لگے ہیں۔ لیکن اب یوں کیجیے کہ جب تک ہم دوسرا حکم نہ دیں، اِس کمرے سے باہر نہ جائیے۔ ہم ابھی بتاتے ہیں کہ ہیروئن فروخت کرنے والوں کا سردار کون ہے اور اُس سے آپ کا کیا رشتہ ہے"۔

یہ کہہ کر تھانے دار صاحب نے حاجی صاحب کی طرف دیکھا اور بہت ادب سے بولے:

"حاجی صاحب قبلہ، اِس شخص نے آپ کے ساتھ جو بدتمیزی کی ہے، اُس کے لیے میں مُعافی چاہتا ہوں۔ آپ تشریف رکھیے۔ بابُو جمال الدّین صاحب واقعی شریف آدمی ہیں۔ میں اُنہیں ابھی آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں"۔ یہ کہہ کر تھانے دار صاحب نے ایک سپاہی کو حکم دیا" دیکھو، بابو صاحب کو یہاں لے آؤ۔ جاؤ!"

"لیکن سر! لیکن جناب!" حوالدار منمنایا "جناب عالی، وہ واقعی ایک بہت بڑا غُنڈہ ہے۔ اُس کے خلاف پکّے ثبُوت ملے ہیں"۔

"خاموش!" تھانے دار صاحب نے حوالدار کو ڈانٹ پلائی" تم لوگ جس طرح کے پکّے ثبوت اکٹھے کرتے ہو، ہم خوب جانتے ہیں۔ اور یہ بات تمھیں ابھی معلوم ہو جائے گی کہ پکّا ثبوت کسے کہتے ہیں"۔

حاجی صاحب حیران ہو کر تھانے دار صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تھانے دار صاحب نے ایک کاغذ پر کچھ لکھنے کے بعد اُن کی طرف دیکھا اور بولے "مُحترم حاجی صاحب، ہم آپ کو مُبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ پاک نے آپ کو ایسا اچھا بھانجا دیا۔ یُوں سمجھیے کہ آپ کے بہنوئی، بلکہ آپ کے

Scanned by CamScanner

پورے خاندان کی عزت اس بچے ہی کی وجہ سے بچی۔ کیا نام ہے اُس کا؟ شنو بابا؟ یہی نام ہے نا؟"

"جی، یہ تو پیار کا نام ہے۔ اُس کا اصلی نام شبیر علی ہے۔ لیکن یہ تو فرمایئے اُس کی وجہ سے اُس کے باپ کی اور ہم سب کی عزت کیسے بچی؟"

"سُنیے، یہ سب کچھ کس طرح ہُوا۔ بات یہ ہے کہ ہم شہر کے اُسی محلے میں رہتے ہیں جس میں آپ کے بہنوئی بابو جلال الدین صاحب رہتے ہیں، اور صبح کی نماز محلے کی مسجد ہی میں پڑھا کرتے ہیں۔ آپ کا شنو بابا بھی پابندی سے صبح کی نماز میں شریک ہوتا ہے۔ ہم نے جب پہلی بار ایک صاف ستھرے، پیارے سے بچے کو صبح کی نماز مسجد میں پڑھتے ہوئے دیکھا تو ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ ہم نے دل ہی دل میں اُس کے ماں باپ کی تعریف کی اور یہ معلوم کیا کہ وہ کہاں رہتے اور کیا کرتے ہیں۔"

"اور ہمارا خیال ہے آپ بابو جمال الدین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ہوں گے" حاجی صاحب نے کہا۔

"ہاں، انہیں دیکھ کر اور اُن کے بارے میں جان کر ہم بہت خوش ہوئے۔ بات یہ ہے کہ پولیس افسر ہونے کی وجہ سے اپنے علاقے کے لوگوں کے حالات جاننا بہت ضروری بات ہے۔ اس طرح غنڈوں اور شریفوں کی پہچان ہو جاتی ہے۔ بہرحال، ہم بابو صاحب اور اُن کے بیٹے کو بہت اچھا سمجھتے تھے۔ پھر ایسا ہُوا کہ ایک دن ہمارے تھانے میں یہ ذکر ہُوا کہ بابو جمال الدین نامی ایک سرکاری مُلازم ہیروئن فروخت کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہے۔ یہ سُن کر ہم بہت حیران ہوئے اور کسی کو بتائے بغیر یہ فیصلہ کیا کہ اِس مُعاملے کی تحقیق اس طرح کریں گے کہ ہمارے عملے کو بھی یہ بات معلوم نہ ہو۔ ہم نے اِس حوال دار اور اس کے ساتھی سپاہیوں کے کام میں بالکل رُکاوٹ نہیں ڈالی۔ انہیں ان کا کام کرنے دیا اور بابو صاحب کے بارے میں خود تحقیق کرتے رہے۔ اور یہ جان کر ہمیں بے حد خوشی ہوئی کہ وہ تو اُس سے بھی زیادہ اچھے ہیں جتنا اچھا ہم اُنہیں سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اصل غنڈہ چودھری ہے۔ اُسی نے اِس حوال دار اور کچھ سپاہیوں کو ساتھ ملا کر بابو صاحب کو مُجرم ثابت کیا ہے"۔

"خدا کی پناہ! پولیس کے محکمے میں بھی ایسے بُرے لوگ موجود ہیں!" حاجی صاحب نے افسوس بھری آواز میں کہا۔

"بس، سبھی طرح کے لوگ ہیں پولیس میں بھی، جناب۔ لیکن خدا کے فضل سے ہم جیسے بھی ہیں جو شریفوں کی عزت کرنا اور غنڈے بدمعاشوں کو پکڑنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ آپ یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ اُس چودھری کو اُس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا گیا ہے۔ سپاہی اُن کو لے کر آتے ہی ہوں گے"۔

تھانے دار صاحب کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک جیپ تھانے کے احاطے میں داخل ہوئی اور سپاہیوں نے چودھری اور اُس کے ساتھیوں کو نیچے اُتارا۔ اُن سب کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔

چودھری اور اُس کے ساتھیوں کو اس حالت میں دیکھ کر حوال دار اور اُن سپاہیوں نے وہاں سے کھسکنے کی کوشش کی جو چودھری کے ساتھ ملے ہوئے تھے، لیکن تھانے دار صاحب نے اُنہیں پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا۔

وہ سپاہی جسے بابو صاحب کو لانے کے لیے بھیجا گیا تھا، اُنہیں ساتھ لے کر آگیا تھا۔ تھانے دار صاحب نے اُنہیں بہت عزت اور محبت سے اپنے پاس بٹھایا، چائے پلائی اور پھر گھر جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ حاجی صاحب کی کار میں بیٹھ کر تھانے سے نکل رہے تھے، تھانے دار صاحب اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے "خوش نصیب ہیں وہ ماں باپ جن کی اولاد نیک ہو، اور بدبخت ہیں وہ جن کی اولاد غلط کاموں میں پھنس جائے۔ بابو صاحب کو اُن کے نیک بیٹے نے مُصیبت سے بچالیا اور چودھری کو اُس کے بُرے بیٹے نے مُصیبت میں پھنسا دیا"۔

Scanned by CamScanner

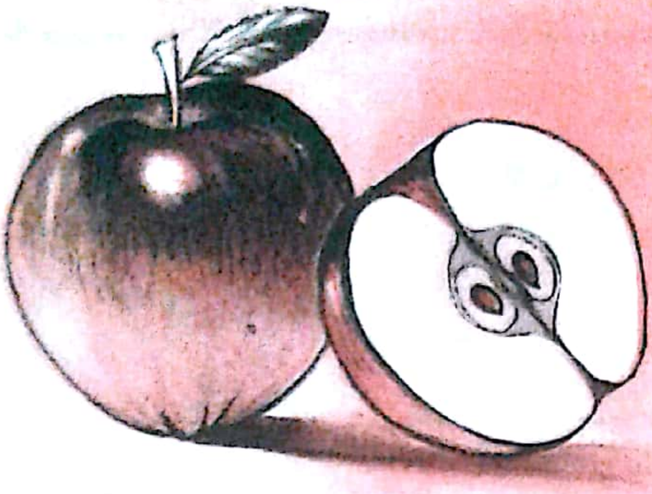

سیب

پھلوں میں ایک پھل ہے سیب، بچّو
اگر ہر روز تم اِک سیب کھاؤ
پڑو گے پھر نہ تُم بیمار ہرگز
رہو گے پھر نہ تُم بیزار ہرگز
سُنا ہے چیز ہے یہ اِتنی اچّھی
ضرورت ہی نہیں پھر ڈاکٹر کی
پھلوں کا سیب ہے سُلطان، بچّو
بناتا ہے ہماری جان، بچّو
یہ وہ پھل ہے نہیں نُقصان دِہ جو
تر و تازہ یہ رکھتا ہے بدن کو
جو سچ پُوچھو تو ہے کیا بات اِس کی
یہ پھل بھی ہے، غذا بھی اور دوا بھی
بہُت اِس میں ہیں خُوراکی[1] حرارے
یہ ہر چہرے کی رنگت کو نکھارے
بہُت ہے فائدہ مند سیب، بچّو
سو روزانہ ہی تم اِک سیب کھاؤ

ضیغم حمیدی

(1) کیلوری

Scanned by CamScanner

ہماری زمین کے تقریباً ایک چوتھائی حصّے پر خشکی ہے، اور تین چوتھائی حصّے پر پانی۔ خشکی کا یہ ایک چوتھائی ٹکڑا سات الگ الگ حصّوں میں بٹا ہُوا ہے۔ اِن حصّوں کو برّاعظم (یعنی خشکی کا بہت بڑا قطعہ) کہتے ہیں۔ اِن سات برّاعظموں کے نام یہ ہیں: ایشیا، افریقہ، یورپ، آسٹریلیشیا، شمالی امریکا، جنوبی امریکا، مُنجمدِ جنوبی (انٹارکٹیکا)۔

اِن سات برّاعظموں میں ایشیا سب سے بڑا برّاعظم ہے۔ اِس میں خشکی کا تقریباً تیسرا حصّہ شامل ہے، اور یہاں دُنیا کے آدھے سے زیادہ لوگ بستے ہیں۔ دُنیا کا سب سے اُونچا پہاڑ، ماؤنٹ ایورسٹ، اِسی برّاعظم میں ہے۔ یہ تقریباً 8840 میٹر (29,028 فٹ) بلند ہے۔ دنیا کا سب سے نیچا علاقہ (یعنی بُحیرۂ مُردار کی وادی) بھی اِسی برّاعظم میں ہے۔ یہ وادی اُردُن اور اِسرائیل کے مُلکوں کے درمیان ہے۔ کوہِ یورال اور بُحیرۂ کیسپین ایشیا اور یورپ کے درمیان سرحد کا کام دیتے ہیں۔ خشکی کی ایک تنگ پٹّی (خاک نائے سویز) ایشیا کو افریقہ سے مِلاتی ہے۔

اُونچے اُونچے پہاڑوں نے برّاعظم ایشیا کو چھ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (1) شمالی ایشیا (2) وسطی ایشیا (3) مشرقی ایشیا (4) جنوب مشرقی ایشیا (5) جنوبی ایشیا (6) جنوب مغربی ایشیا۔ اِس برّاعظم میں کئی بڑے بڑے دریا اور جھیلیں ہیں۔ بُحیرۂ کیسپین جو دراصل نمکین پانی کی جھیل ہے، آدھی ایشیا میں اور آدھی یورپ میں ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ اِسی لیے اِسے بُحیرہ یعنی چھوٹا سمندر کہتے ہیں۔ دوسری بڑی جھیلیں بُحیرۂ یورال اور جھیل بیکال ہیں۔ جنوبی ایشیا کے خاص خاص دریا برہم پُتر، گنگا اور دریائے سندھ ہیں۔ برہم پُتر اور گنگا بھارت میں اور دریائے سندھ پاکستان میں بہتا ہے۔

ایشیا کے مُختلف علاقوں کی آب و ہوا مُختلف ہے۔ اِس کا شمالی حصّہ بہت سرد اور جنوبی حصّہ گرم اور مرطوب ہے۔ بحرِ ہند کی طرف سے آنے والی مون سون ہوائیں، موسمِ گرما میں، جنوبی ایشیا کے علاقوں میں بارش برساتی ہیں۔ شمالی علاقوں میں صنوبر اور انناس کے درختوں کے جنگل ہیں۔ جنوب کے گرم مرطوب علاقوں میں بہت بارش ہوتی ہے۔ یہاں بہت گھنے جنگل ہیں۔ بعض علاقوں میں

Scanned by CamScanner

گھاس کے بڑے بڑے میدان ہیں اور بعض علاقوں میں لق و دق صحرا ہیں۔

برّاعظم ایشیا میں قسم قسم کے جانور پائے جاتے ہیں۔ بھورے ریچھ اور بھیڑیے سائبیریا کے جنگلوں میں رہتے ہیں۔ یاک تبّت کا جانور ہے۔ پانڈا چین اور تبّت میں پایا جاتا ہے۔ جنوبی علاقوں میں ہاتھی، شیر، تیندوے، قسم قسم کے بندر اور سانپ پائے جاتے ہیں۔ یاک، اونٹ، ہاتھی، خچر، گدھے اور بیل بھینسوں سے سواری، باربرداری اور کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا ہے۔

دنیا کی پرانی تہذیبوں میں سے اکثر تہذیبوں نے ایشیا میں جنم لیا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذہب بھی اسی برّاعظم میں پروان چڑھے۔ مثلاً ہندو مت، بدھ مت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔

ایشیا کی آبادی 2 ارب 50 کروڑ سے زیادہ ہے، اور یہ برّاعظم آبادی کے لحاظ سے یورپ سے چار گنا بڑا ہے۔ یہاں تین نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ مشرقی ایشیا اور وسطی ایشیا کی اکثر آبادی (چینی، جاپانی اور سائبیریا کے لوگ) منگول نسل کی ہے۔ منگول نسل کے لوگ جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں بھی آباد ہیں۔ ملائیشیا اور سنگاپور کے زیادہ تر لوگ اسی نسل کے ہیں۔ جنوب مغربی ایشیا، پاکستان اور شمالی بھارت کے اکثر لوگ کاکیشی نسل کے ہیں اور یورپ میں بسنے والے لوگوں کے رشتے دار ہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا کے جزیروں میں رہنے والے لوگ نیگرو نسل کے ہیں، اور یہ افریقہ کے حبشیوں کے رشتے دار ہیں۔ ان میں سے کچھ جزیرہ نما ملایا میں بھی آباد ہیں۔ ایشیا میں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں سے اہم زبانیں چینی، جاپانی، عربی، فارسی، ہندی اور اردو ہیں۔

برّاعظم ایشیا کی آبادی جس رفتار سے بڑھ رہی ہے،

یاک

شیر

پانڈا

ہاتھی

اُس رفتار سے زرعی پیداوار نہیں بڑھ رہی۔ اکثر ملکوں میں کھیتی باڑی پُرانے طریقوں سے کی جاتی ہے۔ اس لیے یہاں کی زرعی پیداوار یورپ اور امریکا کے مُقابلے میں بُہت کم ہے۔ اِس برّاعظم کے زیادہ تر لوگ دیہات میں رہتے ہیں۔ اِن کا پیشہ کھیتی باڑی اور جانور پالنا ہے۔ سب سے زرخیز زمینیں جنوبی ایشیا، جنوب مشرقی ایشیا، چین اور سائبیریا کے جنوب مغربی علاقوں میں ہیں۔ ایشیا کے اکثر لوگ گندم اور چاول کھاتے ہیں، اور اِنھی کی فصلیں زیادہ اُگائی جاتی ہیں۔ چائے، تمباکو، کپاس، پٹ سن بھی ایشیا کی اہم زرعی پیداوار ہیں۔

جنوب مغربی ایشیا کے عرب مُلک تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ صنعتی اِعتبار سے سب سے ترقّی یافتہ ملک جاپان ہے۔ اس ملک کی موٹر کاریں، بحری جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن، کیمرے اور الیکٹرانکس کا سامان ساری دنیا میں فروخت ہوتا ہے۔ چین، کوریا، سنگاپور، بھارت اور پاکستان بھی صنعتی میدان میں تیزی سے ترقّی کر رہے ہیں۔

برّاعظم ایشیا کی تاریخ بُہت پُرانی ہے۔ یہاں دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں اور سلطنتوں نے جنم لیا۔ اِن سلطنتوں میں ایران، عراق، چین، منگولیا، پاک و ہند اور جاپان کی سلطنتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ تقریباً چار سو سال پہلے یورپ کے ملکوں نے ایشیا کے ملکوں کو فتح کرنا شروع کیا، اور 1800ء تک ایشیا کے اکثر ملکوں پر اِن کا قبضہ ہو گیا۔ دوسری جنگِ عظیم (1939 - 1945) کے بعد یہ سب ملک آزاد ہو گئے۔ (س-ل)

Scanned by CamScanner

ثبوت کی تلاش

نعیم بلوچ

اُنہیں گاڑی روکنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اُس نے خود ہی رُکاوٹوں کے پاس آکر بریک لگائے' اور مسکراتا ہوا باہر آگیا۔ اُس کی نظریں کسی خاص وردی میں ملبوس افسر کو تلاش کر رہی تھیں۔ قبل اس کے کہ وہ انسپکٹر بلال کو اپنی طرف مُتوجّہ کرتا' وہ خود آگے بڑھا اور بولا "ہیلو! مسٹر ڈورل۔ کیسے ہیں آپ؟"

"بالکل ٹھیک۔ لیکن آپ؟" اُس نے سوالیہ نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"مجھے انسپکٹر بلال کہتے ہیں۔ میرا اس چیک پوسٹ پر آج پہلا دن ہے۔"

"اوہ... بہت اچھے۔ تو گویا آج آپ میری تلاشی لیں گے۔ ضرور لیجیے' لیکن انسپکٹر' اس دفعہ بھی مجھے یقین ہے آپ کو بھی ناکامی ہوگی۔ میرے پاس سے اِسمگلنگ کا کوئی سامان برآمد نہیں ہوگا اور آپ مجھے اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے۔"

جواب میں انسپکٹر بلال صرف مسکرا دیا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ اُس کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہوگا۔ اُسے ڈورل کو چیک کرنے کا کام چیلنج کے طور پر دیا گیا تھا۔ پاکستانی حکام کو پورا یقین تھا کہ ڈورل اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی ذاتی گاڑی پر سرحد پر آتا' اور اُس کی ہر دفعہ خوب اچھی طرح تلاشی لی جاتی۔ لیکن پچھلے پانچ سالوں میں اُس سے کبھی کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی اور حکومت پاکستان کو مجبوراً اُسے ثبوت نہ ہونے کی بنا پر چھوڑنا پڑا۔

پچھلی دفعہ جب وہ پاکستان آیا تو حکومت کے جاسوسوں نے یہ اِطلاع دی تھی کہ ڈورل اپنے ساتھ بھاری مقدار میں سونا لایا ہے' لیکن اُن کے ہاتھ لگنے سے پہلے وہ سارا مال خُفیہ طریقے سے فروخت کر چکا تھا۔ بعض اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ ڈورل کسی نہ کسی طریقے سے رشوت دے کر چھوٹ جاتا ہے۔ بعض افسروں کا خیال تھا کہ وہ اِسمگلنگ کا مال اس طریقے سے لاتا ہے کہ کوئی بھی اُسے

ڈھونڈ نہیں پاتا اور وہ تلاشی لینے والے عملے کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر صاف بچ نکلتا ہے۔ اِن دونوں کم زوریوں کو ختم کرنے کے لیے اِس دفعہ اُنھوں نے اِنسپکٹر بلال کو خاص طور پر اِس سرحدی چوکی پر تعیّنات کیا تھا۔ اِنسپکٹر بلال سے آج تک کوئی مُجرِم بچ کر نہیں نکلا تھا اور نہ اُس نے کبھی کسی سے رشوت لی تھی۔ وہ جتنا اِیمان دار تھا اُتنا ہی ذہین اور قابل پولیس افسر تھا۔

اُس نے بڑے اِعتماد سے تلاشی کا کام شروع کیا تھا۔ ڈورل کے لیے یہ عمل قطعی نیا نہیں تھا۔ وہ ہر دفعہ چیک پوسٹ پر نئے نئے چہرے دیکھتا تھا۔ بڑے عزم سے تلاشی لینے والے تمام لوگ آخر میں اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتے اور اُن کے ہاتھ کچھ نہ آتا۔ اور اِس وقت بھی وہ مسکراتے ہوئے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اِنسپکٹر بلال نے اُسے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کو کہا اور گاڑی کی تلاشی شروع کر دی گئی۔ آدھے گھنٹے میں اُس کی کار کے اندرونی حصّے اور ڈِکّی کی تلاشی لی جا چکی تھی مگر کچھ بھی برآمد نہیں ہُوا تھا۔ اب وہ ٹُول بکس کو کھنگال رہے تھے۔ ہر اوزار کو اِس طرح ٹھونک بجا کر دیکھا جا رہا تھا کہ کسی چیز کے نظروں سے رہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گاڑی کے فالتو پہیے یعنی اِسٹپنی کی باری آئی تو اُسے پہلے زور زور سے ہلا کر دیکھا گیا کہ کہیں اُس کے اندر کوئی چیز تو نہیں ڈال دی گئی۔ جب بھی کسی خاص چیز کی تلاشی لی جاتی، اِنسپکٹر ڈورل کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھنے کے لیے اُس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیتا۔ اور جب اُس نے ٹائر کو رِم سے علیٰحدہ کرنے کا حکم دیا تو پہلی دفعہ ڈورل کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دکھائی دیے۔ انسپکٹر کا خیال تھا کہ ٹائر کے نیچے سونے یا چاندی کی چادر کی تہ بچھائی جا سکتی ہے۔ ٹائر کو رِم سے علیٰحدہ کرنے کا مرحلہ آیا تو ڈورل بول پڑا:

"ٹھہریئے، اِنسپکٹر بلال! آپ کے ساتھی مجھے اِس کام میں کچھ اناڑی محسوس ہوتے ہیں۔ اگر اِنھوں نے ٹائر پھاڑ دیا تو اِس کی ذمّے داری کس پر ہوگی؟"

"آپ بے فکر رہیں، مسٹر ڈورل۔ یہ لوگ ٹائر تو پوری گاڑی کو پُرزہ پُرزہ کر سکتے ہیں اور پھر بڑی مہار سے جوڑ سکتے ہیں۔ باقی رہا نقصان کا سوال تو اِس کا ذمّے د میں ہُوں گا۔" پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مُخاطِب ہُوا "صا بھائی۔ ذرا اِحتیاط سے۔ سونے کا مُعاملہ ہے۔ خراب نہ ہو۔ پائے!"

ڈورل نے اِنسپکٹر کی اِس طنز کا جلد ہی بدلہ لے لیا۔ ٹائ سے کچھ برآمد نہ ہُوا تو وہ بولا "اِنسپکٹر، میرے خیال میں آپ کو گاڑی کے ٹائروں کا مُعاینہ بھی کروانا چاہیئے۔ ہو سکت ہے آپ کی مطلوبہ چیز وہاں ہو"۔ انسپکٹر سوچنے لگا کہ کہیں یہ ڈورل کی کوئی چال نہ ہو۔ اُس نے ٹائروں کے مُعاینے کی بات خود کر کے یہ بتانا چاہا ہو کہ اِن میں کچھ نہیں۔ اُس نے گاڑی کے ٹائر اُتارنے کا حکم دیا۔

اِنسپکٹر کے اِس حکم پر ڈورل سخت جزبز ہُوا۔ بولا "یہ کیا بدتمیزی ہے، اِنسپکٹر؟ آپ خواہ مخواہ میرا وقت برباد کر رہے ہیں...."

"مسٹر ڈورل، ہم آپ کی تلاشی کا حق محفوظ رکھتے ہیں اگر آپ کو اِتنا ہی بُرا لگتا ہے تو آپ سیر و سیاحت کے لیے کسی دوسرے ملک کیوں نہیں جاتے؟ آخر ہر سال دو تین دفعہ آپ ہمارے ملک میں کیا لینے آتے ہیں؟" اِنسپکٹر کا لہجہ خاصا تلخ تھا۔

"آپ بھی عجیب ناشُکرے ہیں، اِنسپکٹر۔ میں آپ کے ملک میں ہر دَورے پر لاکھوں کا سرمایہ خرچ کرتا ہوں، جس کا فائدہ آپ کے ملک ہی کو ہوتا ہے۔ اگر میں نہ آؤں تو کئی لوگوں کی روزی کا ذریعہ ختم ہو جائے گا۔ اور پھر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر میں اپنے ملک سے سونا چاندی وغیرہ خرید کر آپ کے ملک میں لاتا ہوں تو اِس سے آپ کو کیا نُقصان ہوتا ہے؟ کیا آپ پسند نہیں کرتے کہ آپ کے ملک میں سونا یا اِس قسم کا دُوسرا قیمتی سامان

Scanned by CamScanner

آئے؟"

"مسٹر ڈورل، ہمیں بے وقوف بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کسے معلوم نہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کو مُقررّہ حد سے زیادہ کوئی چیز لے جانے پر ٹیکس لگتا ہے اور اسمگلر حضرات یہی ٹیکس چوری کر کے حکومت کے خزانے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ٹیکس ادا نہ کرنے کی وجہ سے چیز بہت سستی ہو جاتی ہے۔ لیکن ملک کے اندر بنی ہوئی وہی چیز مہنگی ہوتی ہے۔ جب ایک شخص حکومت کا ٹیکس چوری کر کے بازار میں سستی چیزیں بیچے تو لوگ اُس کی چیزیں خریدیں گے اور اِس طرح ملک میں تیّار ہونے والی یا پیدا ہونے والی اشیا کوئی نہیں خریدے گا، جس سے ملک کے صنعت کاروں، کاشت کاروں اور تاجروں کو بے اِنتہا نقصان ہوگا۔ یہ ہے وہ وجہ جس سے اِسمگلنگ ایک جُرم بن جاتی ہے۔ یہ اِسمگلنگ چاہے کپڑے کی ہو یا دُوسری چیزوں کی، سب جُرم ہے۔ اور یہ اِسمگلنگ اِسی طرح جُرم ہے جس طرح کسی نشہ آور چیز کی اِسمگلنگ۔ بس نوعیت کا فرق ہے۔"

ڈورل کے پاس اِس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

گاڑی کے چاروں پہیّوں کو باری باری اُتارا جا چکا تھا مگر ناکامی کے سِوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔ اِنسپکٹر بلال اب بہت پریشان تھا۔ گاڑی کی ایک ایک چیز دیکھی جا چکی تھی۔ اب صرف یہ بات باقی رہ گئی تھی کہ اُس کی سیٹیں پھاڑ کر اُن کے اندر دیکھا جائے۔ لیکن انسپکٹر نے اِس کا بھی اِنتظام کر رکھا تھا۔ اُس نے باری باری تمام سیٹیں باہر نکلوائیں۔ اُن کو ایک خاص قسم کی مشین سے پریس کروایا گیا کہ اگر فوم کے عِلاوہ کوئی چیز ہو تو معلوم ہو جائے۔ سیٹ کے وہ حصّے جہاں اِسپرنگ ہوتے ہیں، وہاں باریک مقناطیسی سلائیوں کو اندر داخل کر دیا گیا۔ اگر اِسپرنگ لوہے کے بجائے سونے یا چاندی کے ہوں تو معلوم ہو جائے گا۔ مگر یہ ساری محنت ضائع گئی۔ کوئی چیز نہ ملی۔

مزید آدھ گھنٹے کے بعد تلاشی لینے والوں کے اِنچارج نے اِعلان کیا "سر، اب گاڑی کا اِنجن بچا ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کی تلاشی نہ لی گئی ہو"۔

"کیا تم نے پٹرول کی ٹینکی چیک کی؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

اِنسپکٹر بلال اب سوچ رہا تھا کہ اگر پٹرول کی ٹینکی میں سے بھی کچھ برآمد نہ ہوا تو پھر اُس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ اُس کے ذہن میں اچانک ایک عجیب خیال آیا "کہیں ڈورل کی چال یہ تو نہیں کہ وہ کبھی مال لاتا ہو اور کبھی نہ لاتا ہو۔ جب اُسے سخت تلاشی کا خطرہ ہوتا ہو گا تب وہ کچھ نہیں لاتا ہو گا اور جب اُسے یہ اِطّلاع ملتی ہو گی کہ اِس دفعہ تلاشی سختی سے نہیں لی جائے گی تو وہ اِسمگلنگ کا مال لے آتا ہو گا۔"

یہ نُکتہ اُسے اچّھا تو لگا لیکن معلوم نہیں اُس کا دل کیوں نہیں مانتا تھا۔ اُس کی چھٹی حِس کہ رہی تھی کہ ڈورل آج خالی ہاتھ نہیں.... مگر پھر اُس نے مال کہاں چُھپا رکھا ہے؟ یہ سوال اب اُس کی عزّت کا مسئلہ بن گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پٹرول کی ٹینکی بھی دیکھی جا چکی تھی۔ اُس میں بھی کچھ نہ ملا۔ اب اِنسپکٹر بلال اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے اپنے ایک ساتھی کو ڈورل کے پاس بٹھایا اور خود گاڑی کی طرف چل دیا۔ گاڑی کا بغور مُعاینہ کرنے کے بعد اُس نے گاڑی کی چھت پر لگا جنگلا اُتارنے کا حکم دیا۔ گاڑی کی چھت کو غور سے دیکھنے کے بعد جب اُس نے اپنے ساتھی سے پیچ کس مانگا تو ڈورل تقریباً اُچھل پڑا۔

بولا "اِنسپکٹر! یہاں کون سا پیچ آپ کو نظر آگیا جسے کھولنے لگے ہیں؟"

"آپ بے فکر رہیں، مسٹر ڈورل۔ میں کوئی پیچ نہیں کھولوں گا۔ میں تو یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ گاڑی کی چھت پر کوئی خفیہ تہ تو موجود نہیں؟"

یہ جواب سُن کر ڈورل کو سانپ سُونگھ گیا۔ اُس کے چہرے پر اُڑتی ہوائیوں کو انسپکٹر بلال نے بھی محسوس کر لیا۔

Scanned by CamScanner

وہ اچانک وہاں سے اٹھا اور لپک کر ڈورل کے پاس پہنچا۔ اُس نے ڈورل کے دل کی دھڑکن معلوم کرنے کے لیے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کا دل واقعی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

انسپکٹر بلال کے چہرے پر کام یابی کی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اُس نے پیچ کس ہاتھ میں لیا اور خود گاڑی کی چھت کُریدنے لگا۔ اُس کے چہرے پر کامیابی کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔ گاڑی کی چھت پر کوئی پینٹ نہیں تھا بلکہ انتہائی باریک پلاسٹک کی چادر چڑھی ہوئی تھی جو اس خوب صورتی سے بنائی گئی تھی کہ اُس کے رنگ اور گاڑی کے رنگ میں ذرّہ برابر فرق نہیں تھا۔ انسپکٹر بلال بے دردی سے اُس چادر کو اُکھیڑنے لگا۔ اُس کے نیچے سونے کی چادر کا ہونا یقینی تھا۔ مگر ابھی تک کوئی چادر اُنھیں نظر نہیں آئی تھی۔ تھوڑی دیر تک پوری پلاسٹک کی چادر اُتر چکی تھی لیکن ناکامی ایک مرتبہ پھر انسپکٹر کا مُنہ چڑا رہی تھی۔ مگر اس بات میں کسی قسم کا شک نہیں تھا کہ چھت پر پلاسٹک کی چادر کسی چیز کو چھپانے کے لیے ہی لگائی گئی ہے۔ مگر پھر وہ چیز کہاں گئی؟ اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ڈورل نے کسی شک کی بنا پر سونے کی چادر کو راستے میں کہیں چھپا دیا ہے اور اُس کی گھبراہٹ کی وجہ یہ ہوگی کہ اسمگلنگ کا ایک محفوظ طریقہ پولیس کے علم میں آگیا تھا۔

اُس نے گاڑی پر ایک تھکی ہوئی نظر ڈالی۔ وہ اب کسی چیز کے برآمد ہونے کے بارے میں قطعی مایُوس ہو چکا تھا۔ وہ ڈورل سے مُخاطب ہوا "مسٹر ڈورل، آپ جا سکتے ہیں"۔

ڈورل نے انسپکٹر کو بے یقینی سے دیکھا اور پھر عجیب سی مسکراہٹ سے بولا "میں آپ کی مہارت اور ذہانت کا قائل ہو چکا ہوں، انسپکٹر بلال۔ آپ یقین رکھیے، آیندہ میں آپ کے ملک میں نہیں آؤں گا.... اِس کی وجہ یقیناً آپ جانتے ہوں گے"۔

اُس نے بڑی گرم جوشی سے انسپکٹر سے ہاتھ ملایا اور فاتحانہ انداز سے گاڑی کی طرف چل دیا۔ اُس نے گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ انسپکٹر کی آواز آئی:

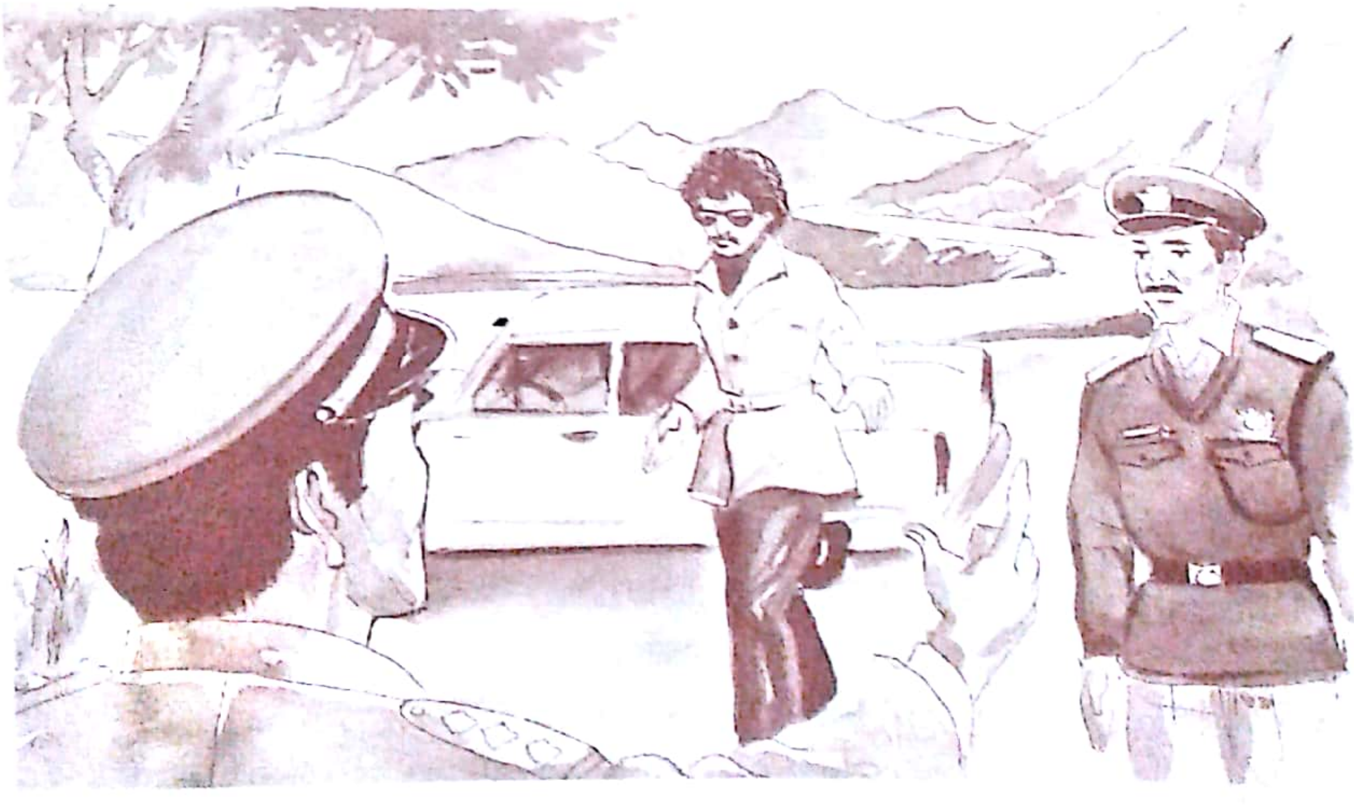

Scanned by CamScanner

"مسٹر ڈورل، ٹھہریے! ہم آپ کی تلاشی لینا تو بھول ہی گئے"۔

"اوہ! بہت اچھا۔ لیجیے۔ یہ حسرت بھی پوری کرلیں" وہ جلدی سے واپس پلٹا اور بازو اُٹھا کر انسپکٹر کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ انسپکٹر نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور اُس نے تلاشی لینا شروع کی۔

ڈورل نے چمڑے کی ایک قیمتی جیکٹ پہنی ہوئی تھی جو تلاشی میں رُکاوٹ بن رہی تھی۔ ڈورل نے اُسے خود ہی اُتار دیا۔ انسپکٹر بلال نے جیکٹ اُس کے ہاتھ سے لے لی اور کچھ سوچ کر جیکٹ کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ ڈورل اُسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے بولا "انسپکٹر! اس جیکٹ میں میرے ضروری کاغذات ہیں۔ ذرا دھیان سے۔"

انسپکٹر نے جیکٹ اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اپنی چیزیں نکال کر جیکٹ مجھے دے دیں۔"

ڈورل پہلی دفعہ سخت غصّے میں دکھائی دیا۔ اُس وقت تک دوسرا پولیس والا اُس کی تلاشی مکمل کر چکا تھا۔ اُس نے جیکٹ سے اپنے کاغذات نکالے اور کسی قدر بدتمیزی سے جیکٹ انسپکٹر کے حوالے کر دی۔ انسپکٹر نے جیکٹ کو زور سے جھاڑا تو جیکٹ کا ایک بٹن اُکھڑ کر نیچے گر پڑا۔ ڈورل بڑی پھرتی سے بٹن کی طرف لپکا۔ اُس نے بٹن اُٹھا کر غور سے دیکھا اور پھر اُسے اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لیا۔

انسپکٹر کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے جیکٹ کے بٹنوں کو غور سے دیکھا اور پھر اپنے ماتحت کو آواز دی:

"یونس خان، مسٹر ڈورل کو گرفتار کرلو"!

"کیوں؟ کیا ملا ہے میرے پاس سے؟"

"ہیرے، مسٹر ڈورل، ہیرے! اس دفعہ آپ نے سونا نہیں، ہیرے اسمگل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ جیکٹ کے گرے ہوئے بٹن کو بے صبری سے نہ اُٹھاتے تو مجھے واقعی علم نہ ہوتا کہ آپ نے جیکٹ میں بٹن نہیں، ہیرے لگائے ہوئے ہیں اور ان کو چھپانے کے لیے اُوپر پینٹ کیا ہُوا ہے۔ تب ہی تو آپ نے نیچے گرنے والے بٹن کو دیکھا تھا کہ کہیں اُس کا پینٹ اُترا تو نہیں۔ لیکن یہ دیکھیں۔ اِس بٹن کا پینٹ تو خاصا اُتر چکا ہے"۔

انسپکٹر نے ایک بٹن جیکٹ سے اُکھاڑا اور ڈورل کو دکھایا۔ بٹن کا ایک کونا جھل مل جھل مل کر رہا تھا۔

بقیہ عظیم مسلمان

گہرے دوست تھے اور حضور ؐ کا معمول تھا کہ شام کو روزانہ آپ سے ملنے کے لیے آپ کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

پیشے کے لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور کاروبار کے لیے اپنے عہد کی مشہور تجارتی منڈیوں بصرہ اور شام وغیرہ قافلوں کے ساتھ جاتے تھے۔ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور حساب کتاب سے بھی واقف تھے۔ تجارت میں آپ کو خوب فائدہ ہوا۔ آپ قبیلہ قریش میں ایک نہایت مال دار آدمی سمجھے جاتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنا سارا مال و دولت اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے وقف کر دیا۔

632ء میں، حضور نبی اکرم ؐ کی وفات کے بعد، صحابۂ کرام ؓ نے آپ کو مسلمانوں کا پہلا خلیفہ منتخب کیا۔ آپ قریباً سوا دو سال خلیفہ رہے۔ اس دوران میں آپ نے بعض مسلمانوں کے دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کو نہایت سختی سے روکا۔ آپ بیت المال کا قیام عمل میں لائے اور دمشق کو فتح کر کے اسلامی سلطنت کی حدیں شام تک وسیع کر دیں۔ مختصر سی بیماری کے بعد آپ ؓ 24 / اگست 634ء کو وفات پاگئے اور آپ کو حضور نبی اکرم ؐ کے پہلوئے مبارک میں دفن کیا گیا۔

(عین الحق فرید کوٹی)

تین ہیرو ایک ہیرون

ف۔ عزیز

"بھئی گرمیوں کے موسم میں سے آم اور تین مہینے کی چھٹیاں نکال دیں تو باقی کیا بچے گا؟" خرم نے آم چوستے ہوئے کہا

"پسینا" عبدالرحمان نے مختصر سا جواب دیا۔

"خرم، عبدالرحمان اور عمران کا چچا زاد بھائی تھا اور آج کل گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے اُن کے گھر آیا ہوا تھا۔ خرم اور رحمان تقریباً ہم عُمر تھے۔ عمران اُن سے دو سال چھوٹا تھا۔ اِن تینوں کے شوق ایک جیسے تھے اور تینوں نہایت ذہین اور مضبوط قد کاٹھ کے تھے۔ نصابی کتابوں کے علاوہ غیر نصابی کتابیں بھی بہُت شوق سے پڑھتے تھے' خاص کر سُراغ رسانی اور مُہم جوئی کی کتابیں۔ وہ بہترین تیراک تھے اور تیراکی کے مُقابلوں میں کئی انعام جیت چکے تھے۔

آج کل چھٹیاں تھیں' اس لیے اُن کے مزے تھے۔ روزانہ کوئی نہ کوئی دل چسپ پروگرام بنتا تھا' اور آج نہر پر جانے کا ارادہ تھا۔ چُناں چہ تینوں صبح ہی صبح اسکول کا کام کرنے بیٹھ گئے تاکہ نہر پر جانے کی اِجازت آسانی سے مل سکے دوپہر کا کھانا کھا کر تینوں سائیکلیں لے کر نکل کھڑے ہوئے۔

"شُکر ہے' آج موسم اچھّا ہے، ورنہ نہر پر پہنچنے سے پہلے ہی پسینے میں نہا جاتے" خُرم نے آسمان پر بادلوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سائیکل ذرا تیز چلاؤ۔ کافی دُور جانا ہے" رحمان نے کہا۔

"دُور کیوں؟ یہاں قریب ہی تو نہر ہے" عمران بولا۔

"آج کل بہُت سے لوگ نہر پر نہانے آتے ہیں۔ زیادہ لوگوں میں تیراکی کا مزہ نہیں آتا۔ ذرا دُور' ایسی جگہ جائیں گے جہاں صرف ہم ہی ہوں" رحمان نے جواب دیا۔

اب وہ آبادی سے کافی دور نکل آئے تھے۔ یہاں نہر کے دونوں طرف درخت تھے اور اُن کے آگے خالی میدان جہاں خود رَو جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ اُنھیں یہ جگہ بہُت پسند آئی۔ اُنھوں نے سائیکلیں قریب رکھیں' نہانے کا لباس پہنا اور نہر میں کُود گئے۔

تینوں تیراکی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ عمران نے تیرتے تیرتے غوطہ لگایا تو اُس کا ہاتھ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا۔ اُس نے اُسے نکال کر دیکھا تو وہ ایک بیگ تھا۔ وہ اُسے لے کر نہر سے باہر آ گیا۔

"خُرم، رحمان، جلدی آؤ!" اُس نے اُنھیں آواز دی۔

دونوں باہر نکلے تو بیگ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"یہ کہاں سے ملا؟" رحمان نے پوچھا۔

"ظاہر ہے، پانی میں سے ملا ہے۔ زمین کھود کر نہیں نکالا" عمران نے کہا۔

"کھول کر دیکھو۔ اِس میں ہے کیا" رحمان نے کہا۔

"لیکن یہ نہر میں آیا کیسے؟" خُرم نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کسی کا گر گیا ہو" عمران نے اندازہ لگایا "لیکن یہاں تو دُور دُور تک کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا۔ خیر، چلو، کھول کر دیکھتے ہیں"۔

"پہلے کپڑے تو پہن لیں۔ ہو سکتا ہے اِس میں کوئی ایسی چیز ہو جسے دیکھ کر ہمیں بھاگنا پڑے" خُرم نے کہا۔

تینوں کپڑے پہن کر درختوں کی چھاؤں میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ عمران نے خُرم کو اشارے سے بیگ کھولنے کے لیے کہا۔ وہ منہ بنا کر بولا "اچھا، مجھے آگے کر رہے ہو کہ سانپ ہو تو مجھے کاٹے۔ لیکن بھئی، اِس میں تو نمبروں والا لاک لگا ہے"۔

"ایسا کرتے ہیں، باری باری سب نمبر ملا کر دیکھتے ہیں۔ آخر کسی نمبر پر تو کھلے گا" رحمان نے مشورہ دیا۔

"یہ تو بہت لمبا کام ہے۔ کیوں نہ اسے گھر لے جائیں۔ وہاں اطمینان سے کھولیں گے" عمران نے کہا۔

"نہیں، بھئی۔ ایسا نہ ہو اِس میں کوئی خطرناک چیز ہو اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔ یہیں کوشش کرتے ہیں۔ میرے ابّو کے پاس بھی لاک والا بریف کیس ہے جو میں کھول لیتا ہوں۔ شاید یہ بھی کھل جائے۔ ورنہ تھانے میں جمع کروا دیں گے" خُرم نے کہا۔

اُس نے نمبر ملانے شروع کیے۔ کافی کوشش کے بعد ایک نمبر پر کلک کی آواز آئی "کھل گیا! کھل گیا!" تینوں خوشی سے چلائے۔

خُرم نے ڈرتے ڈرتے ڈھکن اُٹھایا تو اُن کے منہ سے بے ساختہ نکلا "ارے!" بیگ میں پولی تھین کے چھوٹے چھوٹے لفافے رکھے تھے جن میں سفید پاؤڈر بھرا ہوا تھا۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ تو ہیروئن لگ رہی ہے" رحمان نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کون سی ہیروئن؟ ڈرامے کی یا فلم کی؟" خُرم نے پوچھا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ معاملہ سنگین ہے۔ یہ سوچو کہ اس کا کرنا کیا ہے" رحمان نے سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسے نہر میں کس نے پھینکا اور کیوں پھینکا؟" عمران نے کہا۔

"جس نے بھی یہ بیگ پانی میں پھینکا ہو گا کسی خطرے کی وجہ سے ایسا کیا ہو گا" رحمان بولا "کوئی شوقیہ تو یہ کام کرنے سے رہا"۔

"ویسے جس کا یہ بیگ ہے، وہ اس سے غافل نہیں ہو گا، بشرطیکہ وہ زندہ ہو" خُرم نے کہا۔

"اوہ، یاد آیا" عمران کے منہ سے نکلا "کل رات ٹی وی کے خبرنامے میں ایک خبر تھی کہ کسی جگہ پولیس اور ہیروئن کے اسمگلروں کا مقابلہ ہوا۔ ایک اسمگلر مارا گیا، دو پکڑے گئے اور تین فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ کہیں یہ بیگ اُنھی نے تو نہر میں نہیں پھینکا؟"

"لیکن اُنھوں نے اب تک اسے نکالا کیوں نہیں؟" خُرم نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے اُنھوں نے ڈھونڈا ہو اور اُنھیں نہ ملا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مناسب موقع کا انتظار کر رہے ہوں"

Scanned by CamScanner

رحمان نے کہا۔

"بہرحال، اب کرنا کیا ہے؟" عمران نے اُنھیں اصل مسئلے کی طرف مُتوجہ کیا۔

"کیوں نہ ہم یہاں چُھپ کر اِسمگلروں کا اِنتظار کریں اور جب وہ بیگ لینے آئیں تو اُنھیں پکڑ لیں" رحمان نے بڑے جوش سے کہا۔

"اور پھر تمھاری آنکھ کُھل جائے" خُرم نے کہا "زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ ہیروئن کو دیکھتے ہی آپ کو ہیرو بننے کی سُوجھی ہے"۔

"کوئی بات سیدھی طرح بھی کر لیا کرو۔ شرافت سے بتاؤ کہ اب تمھارے دماغ میں کیا تجویز ہے؟" رحمان نے کہا۔

"مُناسب طریقہ تو یہ ہے کہ یہ بیگ پولیس کے پاس لے جائیں اور اُس سے کہیں کہ جناب، یہ ہمیں نہر میں سے ملا ہے۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام" خُرم نے کہا۔

"اچھا، ایسا کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک یہ بیگ لے کر تھانے جائے اور پولیس کو ساتھ لے آئے، اور باقی دو یہاں رُک کر اِنتظار کریں۔ اگر اِس دوران میں کوئی مُجرم آگیا تو اُسے روکنے کی کوشش کریں گے" خُرم نے تجویز پیش کی۔

"بالکل ٹھیک" رحمان بولا "تُم اور عمران یہاں ٹھہرو۔ میں بیگ لے کر جاتا ہوں"۔

اُن سے تقریباً ایک فرلانگ دُور تین آدمی نہر کے کنارے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک داڑھی والا تھا، دُوسرا ٹھگنا تھا اور تیسرا کالا بھجنگ۔

"آخر تم نے وہ بیگ کہاں پھینکا تھا؟ آدھی نہر ہم نے کھنگال ڈالی۔ اب کیا کریں؟" کالے آدمی نے اپنے داڑھی والے ساتھی سے کہا۔

داڑھی والا بولا "میں نے بڑی مُشکل سے جیپ کے نیچے لیٹ کر پولیس سے جان بچائی تھی۔ پتا نہیں کس نے مخبری کر دی۔ ہم تو بڑے اطمینان سے جا رہے تھے۔ اچانک پولیس نے دھاوا بول دیا۔ میں جیپ کے نیچے بیگ دبائے لیٹا رہا۔ جب دیکھا کہ پولیس جا چکی ہے تو باہر نکلا۔ لیکن ابھی تھوڑی دُور گیا تھا کہ پولیس انسپکٹر نے دھکا، شاید وہ جیپ لینے آیا تھا۔ میں نے دوڑ لگا دی۔ ایک تو بیگ بہت بھاری تھا، دوسرے میں نے سوچا اگر میں بیگ سمیت پکڑا گیا تو پھر جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے میں نے اُسے نہر میں پھینک دیا۔ وہ انسپکٹر کافی دیر میرا پیچھا کرتا رہا۔ لیکن چُوں کہ اندھیرا تھا اس لیے میں اُسے ڈاج دینے میں کام یاب ہو گیا"۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی یہاں نہانے آیا ہو اور اُسے وہ بیگ مل گیا ہو" ٹھگنے نے کہا۔

"یہاں اس ویرانے میں کون نہانے آتا ہے" داڑھی والے نے بے پروائی سے کہا۔

"ارے! وہ دیکھو! دُور کچھ سائے سے نظر آ رہے ہیں۔ شاید وہاں کوئی ہے" کالے آدمی نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا "چلو، قریب جا کر دیکھتے ہیں"۔

نہر کے کنارے کافی بڑا میدان تھا جس میں لمبی لمبی گھاس اور خود رو جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ آبادی یہاں سے کافی فاصلے پر تھی۔ یُوں بھی یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ اس لیے اِردگرد کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ تینوں جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں چُھپ کر چل رہے تھے۔ تھوڑا آگے جانے پر اُنھیں وہ سائے صاف نظر آنے لگے۔

"ارے! یہ تو لڑکے ہیں۔ گھاس پر لیٹ کر کہنیوں کے بل چلو۔ اگر بیگ ان کے پاس ہُوا تو ہمیں دیکھ کر چوکنّے ہو جائیں گے" کالے نے کہا۔

تینوں رینگتے ہوئے لڑکوں کے قریب پہنچ گئے۔ اُن سے تھوڑی دُور گھنی جھاڑیاں تھیں۔ تینوں اُن کی اوٹ میں بیٹھ گئے اور اُن لڑکوں کو دیکھنے لگے۔ ایک لڑکے کے ہاتھ میں بیگ تھا۔ اُن کی باتیں اب صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ وہ

پولیس کے پاس جانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

"چلو، کہیں بیگ ہاتھ سے نہ نکل جائے" کالے نے کہا۔

لڑکے ابھی باتوں میں مصروف تھے کہ وہ اُن کے سر پر پہنچ گئے۔ وہ لڑکا بیگ لے کر جانے والا تھا کہ داڑھی والے نے شلوار کی جیب میں سے پستول نکالا اور اُس کی طرف تان کر بولا "بچے، تمھیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی امانت لینے خود ہی حاضر ہوگئے ہیں۔ لاؤ، یہ بیگ ہمیں دے دو۔" اِس کے ساتھ ہی اُس نے کالے کو اشارہ کیا کہ وہ لڑکے سے بیگ لے لے۔

"جناب، اِس پستول کو دوسری طرف کریجیے۔ اِسے دیکھتے ہی میری ٹانگیں میرا بوجھ اُٹھانے سے اِنکار کر دیتی ہیں" رحمان نے ہکلاتے ہوئے کہا اور بیگ سمیت زمین پر گر گیا۔

"ارے! کیا ہُوا؟" خُرم اور عمران جلدی سے اُس کی طرف بڑھے۔ کالا اور ٹھگنا بھی اُن کی طرف دوڑے، جب کہ داڑھی والا پستول تانے کھڑا تھا۔

رحمان اب زمین پر لیٹ چکا تھا۔ اُس کی ٹانگیں داڑھی والے کی طرف تھیں۔ جُوں ہی کالا اور ٹھگنا رحمان کی طرف بڑھے، خُرم اور عمران نے بیٹھے بیٹھے اُن کی ٹانگیں پکڑ کر زور سے گھسیٹا۔ دونوں گھاس پر گر پڑے۔ داڑھی والے نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا تو رحمان نے اُس کے پستول والے ہاتھ پر ٹانگ ماری۔ پستول اُچھل کر رحمان کے پاس گرا۔ اُس نے جلدی سے پستول اُٹھایا اور ہوائی فائر کر دیا۔ خُرم اور عمران کالے اور ٹھگنے سے گُتھم گُتھا ہو رہے تھے۔ فائر کی آواز سُنتے ہی سب رحمان کی طرف مُتوجّہ ہو گئے۔

"خبردار! تینوں ہاتھ اُٹھا کر کھڑے ہو جاؤ" رحمان نے حکم دیا۔ عمران نے جلدی سے بیگ اُٹھایا اور داڑھی والے کے سر پر پُوری قوّت سے دے مارا۔ وہ چکرا کر گر پڑا۔

"شاباش! ایک تو گیا۔ اب اِن کا اِنتظام کرو" رحمان نے خوش ہو کر کہا۔ وہ دونوں اُس کے نشانے کی زد پر تھے۔

"عمران، تم جلدی سے سائیکل پر جلّو پارک جاؤ اور وہاں سے پولیس کو بُلا لاؤ۔ اِتنی دیر ہم دونوں اِنھیں سنبھالتے ہیں"۔

عمران نے یہ سُنتے ہی سائیکل کی طرف دوڑ لگا دی، لیکن پھر فوراً ہی رُک گیا اور چلّا کر بولا "لو! وہ خود ہی آ گئے!"

سامنے سے گشتی پولیس کی گاڑی آ رہی تھی!

"یار، تمھاری تصویر کاٹ کر رکھ لیتا ہُوں۔ بچّوں کو ڈرانے کے کام آئے گی" اگلے دن اخبار میں اپنی تصویریں دیکھ کر خُرم نے رحمان سے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

بے زبان قیدی

رضوان محمد خان

میرے ماموں، لطیف صاحب، سانگھڑ کے قریب ایک گاؤں، پنڈوریاں، میں رہتے تھے۔ وہ ہمارے گھر کئی مرتبہ آ چکے تھے، لیکن میں اُن کے گاؤں ایک مرتبہ بھی نہیں گیا تھا۔ اُن کا مکان گاؤں کے سرے پر، کھیتوں کے پاس تھا اور وہ اُس میں اپنے کتے ریبی کے ساتھ رہتے تھے۔

پچھلے سال میری ممی موسمِ بہار کی چھٹیاں ماموں کے ساتھ گزارنے کے لیے مجھے پنڈوریاں لے گئیں۔

"بھائی جان، 25 مارچ کو، نوی کی سالگرہ کے دن، آپ ہمارے گھر آئے تھے۔ نوی کا گلا اُسی دن سے دُکھ رہا ہے۔" ممی نے ماموں کے گھر پہنچتے ہی میرے گلے کے متعلق بتا دیا۔

ماموں نے مجھے، اپنی گھنی براؤن آنکھوں کے گوشوں کے نیچے سے گہری نظر سے دیکھا۔ میں اُن کے خیالات کو جو وہ میرے بارے میں رکھتے تھے، تبدیل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اِس لیے میں فوراً وہاں سے رفوچکر ہوا اور چراگاہ کے درمیان میں موجود تالاب کے دلدلی کنارے پر پہنچ گیا۔ ریبی بھی میرے پیچھے پیچھے وہاں آ گیا۔ میں تالاب کے کنارے بیٹھا حیرت سے اس خوش نما منظر کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک درخت کے کٹے ہوئے تنے سے کوئی شے آہستہ سے پھسل کر غڑاپ کی ہلکی آواز کے ساتھ پانی میں گری۔ میں نے آنکھیں جھپکائیں اور سوچنے لگا کہ شاید میں نے ابھی ابھی کوئی کچھوا دیکھا تھا جو اب پانی میں جا چکا ہے۔ کچھوے تو میں نے اس سے پہلے بھی چڑیا گھر میں بہت دیکھے تھے، جہاں میں اپنے بہترین دوست انعام کے ساتھ ہر جمعرات کی شام کو جایا کرتا تھا۔ لیکن یہ کچھوا مجھے عجیب سا محسوس ہوا۔ میں اِس اُمید میں جھاڑیوں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا کہ شاید وہ دوبارہ اِدھر آئے۔ ریبی بھی کنارے پر اپنی ناک پنجوں پر رکھے خاموشی سے بیٹھ گیا۔

سورج کی کرنیں پیچھے قمیص پر پھیل کر میری کمر کو گرم کر رہی تھیں اور دھوپ نے مجھ میں سستی پیدا کر دی تھی۔ میرا گلا اب دوبارہ دُکھنا شروع ہو گیا تھا۔ اچانک ریبی نے کان کھڑے کیے۔ میں بھی چوکنا ہو گیا۔ اِسی اثنا میں میں نے پانی کے اندر سے ایک سر نمودار ہوتا دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ باہر آ رہا تھا۔ پھر درخت کے کٹے ہوئے تنے پر سیاہ رنگ کا ایک گول کوہان سا دکھائی دیا۔

"نوی! اپنے پاؤں مت گیلے کرو" ممی نے گھر کے اندر

سے آواز دی۔

میں نے سوچا کہ ممی کی یہ آواز کچھوے نے بھی ضرور سُن لی ہوگی۔ اِس لیے میں فوراً پانی میں کود گیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ کچھوا میرے ہاتھوں میں تھا۔ اُس نے بدحواس ہوکر اپنا سر اور ٹانگیں ہوا میں لہرانا شروع کر دیں۔ پھر اپنا مُنہ غصّے سے پُھنکارتے ہوئے کھولا جو چڑیا گھر والے کچھوے کے مُنہ سے خاصا بڑا تھا۔ اُس کی قد و قامت تقریباً میری پالتو بطخ جتنی تھی اور اُس کے خول کا رنگ گہرا سبز تھا۔ کمر پر زرد رنگ کے خانے سے بنے ہوئے تھے اور ٹانگوں پر گہرے سُرخ رنگ کی چمک دار لکیریں تھیں۔

"تم گیلے ہو رہے ہو۔ اور ہاں، تم ہانپ کیوں رہے ہو؟" ممی نے میری طرف آتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے ممی، میں نے کچھوا پکڑا ہے" میں نے کچھوے کو اُوپر اُٹھاتے ہوئے کہا "میں اِسے پالوں گا"۔

میں اُسے اپنے ساتھ گھر لے جانے کی سوچ رہا تھا۔ میں نے کچھوؤں کی تصویریں پہلے ہی اپنے کمرے میں لگا رکھی تھیں۔ میرے گھر میں ایک چھوٹا سا مچھلی گھر بھی تھا لیکن اُس کی تمام مچھلیاں مرگئی تھیں اور اب وہ بالکل خالی پڑا تھا۔ میں اِس کچھوے کو اُس مچھلی گھر میں رکھنا چاہتا تھا۔

ممی نے کہا "اب پانی سے باہر نکل آؤ۔ اِس گدلے پانی سے تمہارا گلا اور خراب ہو جائے گا۔ اور ہاں، اِس کچھوے کو چھوڑ دو۔ یہ تمہیں کاٹ لے گا"۔

"یہ کاٹنے والا نہیں ہے۔ یہ تو ایک بے ضرر خوبصورت کچھوا ہے" ماموں نے کہا "میں اِس کے لیے گھر میں ایک مچھلی گھر بنا دوں گا"۔

میں نے اِس خوبصورت کچھوے کا نام "ایرو" (تیر) تجویز کیا، کیوں کہ میں نے اُسے صحن میں چھوڑا تو وہ گردن کو تیر کی طرح بنا کر زمین میں گھسنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ یہ کام بہت تیزی سے کر رہا تھا۔ اُسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کس احمق نے کچھوؤں پر سُست رفتار ہونے کا الزام لگایا ہے۔

ممی تو وہاں سے جا چکی تھیں لیکن ماموں کے ہاتھ میں اب جالی کا بنا ہُوا ایک ڈبا تھا۔ اُنھوں نے مجھے ایک بڑا سا پھول دار برتن دے کر کہا کہ اِس میں تالاب کا گدلا پانی بھر لو۔ مجھے اُس برتن کو بھرنے کے لیے بالٹی لے کر تالاب تک چار چکّر لگانا پڑے۔ جب میں برتن بھر چکا تو ماموں اِتنی دیر میں ڈبے کے اُوپر لکڑی کے تختے لگا چکے تھے۔

"یہ تختے کس لیے لگائے ہیں، ماموں؟" میں نے پوچھا۔

"اِس لیے کہ یہ تاروں کے ذریعے اُوپر چڑھ کر باہر نہ نکل جائے" ماموں نے کہا۔

"کیا؟ یہ اُوپر چڑھے گا؟ میں نے تو کبھی نہیں سُنا کہ کچھوے بھی اُوپر چڑھ سکتے ہیں؟"

"بالکل چڑھ سکتے ہیں۔ یہ دیکھو" ماموں نے اُس کے اگلے پنجوں کو اُٹھا کر اُس کے نوک دار ناخن دکھاتے ہوئے کہا۔ ابھی مشکل سے آدھا گھنٹا ہی گُزرا تھا کہ ایرو ڈبے کے تاروں کے ذریعے اُوپر جا چکا تھا۔ وہ اور اُوپر گیا تو تختوں سے ٹکرا کر پیٹھ کے بل نیچے گر پڑا۔ وہ اب زمین پر اُلٹا پڑا، ہوا میں ٹانگیں چلا رہا تھا۔ میں اُسے سیدھا کرنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ ماموں نے جلدی سے میرا بازو پکڑ لیا۔

"ٹھہرو! اب دیکھتے ہیں کہ یہ کیا کرتا ہے" ماموں نے کہا۔

ایرو نے خول میں سے گردن نکال لی اور ناک سے زمین پر دباؤ ڈال کر سیدھا ہوگیا۔ اِس کام میں اُسے ایک منٹ لگا۔ میں اُس کا یہ کرتب دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ لیکن کچھوا اب سہما ہوا بیٹھا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ ڈبے میں تیزی سے گھومنے لگا۔ میں نے ماموں سے پوچھا:

"کیا اِس علاقے میں اور بھی قِسموں کے کچھوے پائے جاتے ہیں؟"

"یہاں قِسم قِسم کے کچھوے پائے جاتے ہیں۔ دھبّے

Scanned by CamScanner

دار، لکڑی کے رنگ کے، دھاری دار جس طرح کا یہ ایرد ہے 'نوکیلے اور چوکور'۔

"واہ! پھر تو انعام یہاں ضرور آئے گا"۔

"یہ انعام کون ہے؟" ماموں نے پوچھا۔

"وہ میرا بہترین دوست ہے۔ اُس کے پاس ایک مچھلی گھر ہے جس میں اُس نے رنگا رنگ مچھلیاں رکھی ہوئی ہیں۔ لیکن ماموں، اُس کے پاس کچھوے نہیں ہیں" میں نے کہا۔

"اچھا، پھر تو تم انعام کو ضرور یہاں لانا۔ پھر ہم کچھوے پکڑیں گے" ماموں نے کہا۔

"بالکل، بالکل، ضرور، ضرور" میں نے کہا۔

اگلی صبح میرا گلا شدید درد کر رہا تھا۔ تھوک تک نہیں نگلا جا رہا تھا۔ لیکن میں نے ماموں کو اِس تکلیف کے بارے میں کچھ نہیں بتایا، کیوں کہ میں اپنی تکلیف سے زیادہ ایرد کے بارے میں فکر مند تھا۔ گزشتہ رات میں نے جو لوبیے کے بیج لا کر اُس کے آگے ڈالے تھے، وہ سب کے سب اُسی طرح پڑے تھے۔ میں نے سوچا شاید ایرد گھاس پات کو پسند کرتا ہے۔ میں نے تالاب کے کنارے سے پودوں کی نرم نرم کونپلیں اور پتے توڑ کر اُس کے سامنے رکھ دیے۔ لیکن وہ اُن کو مسلتا ہوا کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔

دوپہر کے وقت ایرد اپنے جسم کو خول میں چھپا کر ڈبے کے کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے نیچے بیٹھ کر اُسے غور سے دیکھا تو اُس کی آنکھیں اور ناک کی نوک بند ہو چکی تھی۔ میں نے چھڑی سے اُس کے خول کو اُوپر سے کھٹکھٹایا۔ لیکن اِس کے باوجود اُس نے کوئی حرکت نہ کی۔ میں نے چیخ کر کہا "ہائے! یہ تو بھوک سے مر رہا ہے!"

ماموں جو پاس ہی کھڑے تھے، بولے "کہاں یہ تھوڑی دیر پہلے زمین کھود رہا تھا اور کہاں اب بے چارہ مر رہا ہے۔ شاید ہم اِس کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہتے تھے"۔ پھر وہ ایک برتن میں دو موٹے موٹے کیڑے لے کر آئے اور مجھ سے کہا کہ کچھوا اب پانی والے برتن میں چھوڑ دو۔ میں نے کچھوے کو پانی میں چھوڑا تو اُس نے فوراً اپنی ٹانگیں، سر اور دُم باہر نکال لیں اور پانی میں تیرنے لگا۔ میں اُسے غور سے دیکھ رہا تھا جب کہ ماموں اُس کے آگے ایک کیڑا رکھ رہے تھے۔ اُس نے اپنا منہ کیڑے کی طرف کیا، تھوڑی دیر کچھ سوچا، اور پھر اگلے ہی لمحے کیڑے کو دبوچ لیا۔ میرے سامنے پہلی دفعہ وہ کوئی چیز کھا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔

"میرا ایرد اب جب یہ کیڑا کھالے گا تو دوسرا کیڑا میں خود اپنے ہاتھ سے اسے کھلاؤں گا" میں نے کہا۔

شام کے کھانے پر میں نے ماموں سے کہا "ماموں، میرے ایرد کے لیے تو پانی کا بہت بڑا تالاب ہونا چاہیے"۔ اُنھوں نے اِس طرح سر ہلایا جیسے اُنھیں میری اِس خواہش سے پورا پورا اتفاق ہو۔

لیکن ممی غصّے سے بولیں "ٹھہرو! اِس نومی کے بچے کو میں بنا کر دیتی ہوں بڑا سا تالاب"۔

"ماموں، میں وہ تالاب اپنے دوست انعام اور دوسرے ہم جماعتیوں کو دکھاؤں گا اور..." میں نے اِس طرح اپنی بات جاری رکھی جیسے ممی کی بات سُنی ہی نہ ہو۔

"نومی، تمھیں بھوک نہیں لگی؟" ماموں نے میری پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میرا گلا دُکھ رہا ہے" میں نے ماموں سے تو یہ کہہ دیا تھا لیکن دراصل میں کچھوے کے لیے اچھا سا گھر بنانے کے خیال میں کھویا ہوا تھا اور کھانے کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔

اُس دن آدھی رات کو جب میری آنکھ کھلی تو میرا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ میں نے ٹانگوں سے کِک لگا کر لحاف کو دُور پھینکا۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں ایک تنگ و تاریک بدبو دار تالاب میں پھنس گیا ہوں، اِس لیے میں نے تالاب میں سے نکلنے کے لیے ٹانگیں چلائی تھیں۔

Scanned by CamScanner

دار، لکڑی کے رنگ کے، دھاری دار جس طرح کا یہ اریو ہے، نوکیلے اور چوکور۔"

"واہ! پھر تو اِنعام یہاں ضرور آئے گا"۔

"یہ اِنعام کون ہے؟" ماموں نے پوچھا۔

"وہ میرا بہترین دوست ہے۔ اُس کے پاس ایک مچھلی گھر ہے جس میں اُس نے رنگا رنگ مچھلیاں رکھی ہوئی ہیں۔ لیکن ماموں، اُس کے پاس کچھوے نہیں ہیں" میں نے کہا۔

"اچھا! پھر تو تم اِنعام کو ضرور یہاں لانا۔ پھر ہم کچھوے پکڑیں گے" ماموں نے کہا۔

"بالکل، بالکل، ضرور، ضرور" میں نے کہا۔

اگلی صبح میرا گلا شدید درد کر رہا تھا۔ تھوک تک نہیں نگلا جا رہا تھا۔ لیکن میں نے ماموں کو اِس تکلیف کے بارے میں کچھ نہیں بتایا، کیوں کہ میں اپنی تکلیف سے زیادہ اریو کے بارے میں فکرمند تھا۔ گزشتہ رات میں نے جو لوبیے کے بیج لا کر اُس کے آگے ڈالے تھے، وہ سب کے سب اُسی طرح پڑے تھے۔ میں نے سوچا شاید اریو گھاس پات کو پسند کرتا ہے۔ میں نے تالاب کے کنارے سے پودوں کی نرم نرم کونپلیں اور پتے توڑ کر اُس کے سامنے رکھ دیے۔ لیکن وہ اُن کو مسلتا ہُوا کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔

دوپہر کے وقت اریو اپنے جسم کو خول میں چھپا کر ڈبے کے کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے نیچے بیٹھ کر اُسے غور سے دیکھا تو اُس کی آنکھیں اور ناک کی نوک بند ہو چکی تھی۔ میں نے چھڑی سے اُس کے خول کو اُوپر سے کھٹ کھٹایا۔ لیکن اس کے باوجود اُس نے کوئی حرکت نہ کی۔ میں نے چیخ کر کہا "ہائے! یہ تو بھوک سے مر رہا ہے!"

ماموں جو پاس ہی کھڑے تھے، بولے "کہاں یہ تھوڑی دیر پہلے زمین کھود رہا تھا اور کہاں اب بے چارہ مر رہا ہے۔ شاید ہم اِس کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہتے تھے"۔ پھر وہ ایک برتن میں دو موٹے موٹے کیڑے لے کر آئے اور مجھ سے کہا کہ کچھوا اب پانی والے برتن میں چھوڑ دو۔

میں نے کچھوے کو پانی میں چھوڑا تو اُس نے فوراً اپنی ٹانگیں، سر اور دُم باہر نکال لیں اور پانی میں تیرنے لگا۔ میں اُسے غور سے دیکھ رہا تھا جبکہ ماموں اُس کے آگے ایک کیڑا رکھ رہے تھے۔ اُس نے اپنا منہ کیڑے کی طرف کیا، پھر تھوڑی دیر کچھ سوچا اور پھر اگلے ہی لمحے کیڑے کو دبوچ لیا۔ میرے سامنے پہلی دفعہ وہ کوئی چیز کھا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں بہت خوش ہُوا۔

"میرا اریو! جب یہ کیڑا کھا لے گا تو دوسرا کیڑا میں خود اپنے ہاتھ سے اِسے کھلاؤں گا" میں نے کہا۔

شام کے کھانے پر میں نے ماموں سے کہا "ماموں، میرے اریو کے لیے تو پانی کا بہت بڑا تالاب ہونا چاہیے"۔ انھوں نے اِس طرح سر ہلایا جیسے انھیں میری اِس خواہش سے پورا پورا اتفاق ہو۔

لیکن ممی غصے سے بولیں "نصرو! اِس نوی کے بچے کو میں بنا کر دیتی ہوں بڑا سا تالاب"۔

"ماموں" میں وہ تالاب اپنے دوست اِنعام اور دوسرے ہم جماعتیوں کو دکھاؤں گا اور..." میں نے اِس طرح اپنی بات جاری رکھی جیسے ممی کی بات سُنی ہی نہ ہو۔

"نوی، تمہیں بھوک نہیں لگی؟" ماموں نے میری پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میرا گلا دُکھ رہا ہے" میں نے ماموں سے تو یہ کہہ دیا تھا لیکن دراصل میں کچھوے کے لیے اچھا سا گھر بنانے کے خیال میں کھویا ہُوا تھا اور کھانے کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔

اُس دن آدھی رات کو جب میری آنکھ کھُلی تو میرا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ میں نے ٹانگوں سے کِک لگا کر لحاف کو دُور پھینکا۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں ایک تنگ و تاریک بدبودار تالاب میں پھنس گیا ہوں، اِس لیے میں نے تالاب میں سے نکلنے کے لیے ٹانگیں چلائی تھیں۔

میں سردی سے کانپ رہا تھا اور فرش پر پیٹ کے بل آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ ماموں نے مجھے اٹھا کر بستر پر لٹا دیا اور پھر میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولے:

"اف! تمہارا جسم تو آگ کی طرح تپ رہا ہے!"

میں نے اپنی کمر کو خم دیا اور تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ممی نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر تمہیں دیکھنے آیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سوائے اُن اوقات کے جن میں تمہارے ماموں تمہیں دوا پلاتے تھے، تم مسلسل تین دن سوئے رہے ہو۔

"نہیں! تین دن؟ تو پھر میرا ایرو کس حال میں ہوگا؟" یہ ماموں سے میں نے اُس وقت پوچھا جب میں پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔

"تمہیں اُس کے بارے میں کچھ علم نہیں؟" ماموں نے پوچھا۔

"جی نہیں" میں نے جواب دیا۔

"اُسے تو تم نے آزاد کر دیا" ماموں بولے۔

"کیا؟ میں نے آزاد کر دیا اُسے؟"

ماموں نے ہنستے ہوئے کہا "تم بستر سے نیچے گر کر سیدھے دڑبے کی طرف گئے اور اُس میں سے ایرو کو نکال کر آزاد کر دیا"۔

"میں نے ایسا کیا؟" میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ تم ہی نے کیا اور اچھا کیا، کیوں کہ آزاد فضا میں رہنے والے جان داروں کو قید کر دیا جائے تو وہ غلامی کی اِس زندگی کو برداشت نہیں کرتے اور بیمار ہو کر مر جاتے ہیں"۔

"لیکن ماموں، میں اُسے پیار کرنے کے لیے تھوڑی گھر لایا تھا۔ میں تو اب اِس بات سے افسردہ ہوں کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو میں اپنے دوست انعام کو دکھا سکوں"۔

"لیکن بیٹا، محض کسی دوسرے کو دکھانے کے لیے کسی جانور کی خوشیاں چھین کر اُسے قید کرنا اچھی بات نہیں۔ تم اپنے پیارے سے دوست انعام کو گرمیوں کی چھٹیوں میں ہمارے گاؤں لے کر آنا۔ پھر ہم سب مل کر اپنے کھیتوں کے پاس جوہڑ پر جائیں گے اور وہاں رنگ برنگے کچھوؤں کو تیرتے ہوئے دیکھیں گے"۔

"وعدہ، ماموں؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل وعدہ، بیٹے" ماموں نے کہا۔

Scanned by CamScanner

آئیے مسکرائیں

بیوی (شوہر سے): دیکھیے، میں آپ کے لیے کتنے اچھے جُوتے لائی ہوں۔

شوہر (حیرت سے): مگر یہ تو زنانہ ہیں!

بیوی: اوہو! دکان دار نے مردانہ کے بجائے زنانہ جوتے دے دیے۔ چلو، آپ کے نہیں تو میرے کام آجائیں گے۔ (محمد شاہ جہاں بھٹی، جلیل ٹاؤن گوجرانوالہ)

میاں بیوی، کسی بات پر، آپس میں بحث کر رہے تھے۔ مُنّا باہر سے آیا اور بولا "آپ لڑ کیوں رہے ہیں؟"

بیوی نے کہا "مُنّے، ابّو سے مت بولنا۔ میں تمھیں دو روپے دُوں گی۔"

میاں نے کہا "مُنّے، امّی سے مت بولنا۔ میں تمھیں تین روپے دُوں گا۔"

مُنّا بولا "میں آپ دونوں سے نہیں بولتا۔ نکالیے پانچ روپے"۔ (احمد علی اقبال، ٹھوکر نیاز بیگ لاہور)

اُستاد (شاگرد سے): کوئی لمبا سا لفظ لکھو۔

شاگرد نے "ربڑ" لکھا۔

اُستاد: یہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔

شاگرد: جناب، آپ اِسے جتنا چاہیں لمبا کر سکتے ہیں۔

(ذیشان آفتاب، واہ چھاؤنی)

ڈاکٹر: آپ کے جسم میں وٹامن کی کمی ہے۔ اِسے پورا کرنے کے لیے آپ ایسے پھل زیادہ استعمال کریں جنھیں چھلکے سمیت کھایا جا سکے۔ ویسے، آپ کا پسندیدہ پھل کون سا ہے؟

مریض: جی، ناریل۔ (شائلہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خان)

ایک صاحب کی کار راستے میں خراب ہو گئی۔ اُنھوں نے کار سڑک کے کنارے کھڑی کی، بونٹ اُٹھایا اور اپنا آدھا دھڑ اندر کر کے خرابی ڈھونڈنے لگے۔ اچانک اُنھیں کھٹکا سُنائی دیا۔ اُنھوں نے سر اُٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک شخص وہیل کپ اُتارنے کی کوشش کر رہا ہے۔

وہ صاحب زور سے چیخے "یہ کیا کر رہے ہو؟"

چور نے جواب دیا "چیخو مت۔ تم بیٹری لے لو۔ میں وہیل کپ لے لیتا ہُوں۔" (ذوالفقار احمد پرنس، لاہور)

اُستاد (شاگرد سے): مُوسلادھار کو جُملے میں استعمال کرو۔

شاگرد: جناب، مجھے مُوسلادھار کا مطلب نہیں آتا۔

اُستاد: اِس کا مطلب ہے، بہت تیز۔

شاگرد: آج میں بارش میں مُوسلادھار دوڑا۔

(رانا اصغر علی مونی، پاک پتن)

بیٹا: ابّا جان، کیا یہ دُرست ہے کہ بڑوں کا علم بچّوں سے زیادہ ہوتا ہے؟

باپ: ہاں، یہ دُرست ہے۔

بیٹا: اچھا، تو یہ بتائیے کہ ٹیلی فون کس نے ایجاد کیا تھا؟

باپ: گراہم بیل نے۔

بیٹا: گراہم بیل نے کیوں ایجاد کیا؟ اُس کے باپ نے کیوں نہیں ایجاد کیا؟ (ہمایوں بابر، کرشن نگر لاہور)

اُستاد (شاگرد سے): تم شہد کی مکھی سے کیا سبق حاصل کرتے ہو؟

شاگرد: جو چھیڑے، اُسے ڈنک مارو۔

(محمد صالحین سیالوی، لانڈھی کراچی)

داؤدی علمی آزمائش

1- دُنیا کا سب سے بڑا بحر کون سا ہے؟

2- اسٹیم انجن کس نے ایجاد کیا تھا، اور اِس انجن کا کیا نام تھا؟

3- دُنیا کا سب سے بڑا بیراج کون سا ہے؟

4- یورپ کا کون سا شہر یورپ کا مشرقی دروازہ کہلاتا ہے؟

5- دنیا کی سب سے بڑی تازہ پانی کی جھیل کون سی ہے؟

6- دنیا کی سب سے بڑی شاہ راہ (ہائی وے) کون سی ہے؟

7- جاپان کے سکّے کا نام "ین" ہے۔ چین کے سکّے کا کیا نام ہے؟

8- جاپان کو چڑھتے سُورج کی سر زمین کہا جاتا ہے۔ "آدھی رات کے سُورج" کی سرزمین کس ملک کو کہتے ہیں؟

9- سر گراہم بیل نے 1876ء میں کون سی مفید چیز ایجاد کی تھی؟

10- جدّہ کی بندرگاہ کس بُحیرہ (سمندر) پر واقع ہے؟

پہلا انعام	(بالکل صحیح حل)	350 روپے کی کتابیں
دوسرا انعام	(ایک غلطی)	300 روپے کی کتابیں
تیسرا انعام	(دو غلطیاں)	200 روپے کی کتابیں
چوتھا انعام	(تین غلطیاں)	150 روپے کی کتابیں

جوابات علمی آزمائش دسمبر 1993ء

(1) ہرا (2) ریفائنری (3) 200 میل (4) ایک فی صد (5) نیدر لینڈز یا ہالینڈ (6) 70 مرتبہ (7) 65 فی صد (8) 67,000 میل فی گھنٹا (9) ویل شارک (10) 48 میچوں میں۔

اِس ماہ 15 دوست تمام سوالوں کے دُرست جوابات دینے میں کامیاب ہوئے۔ اِن میں سے شروع کے 12 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی 30،30 روپے کی کتابیں دی گئی ہیں۔

علی اصغر جدون جامعہ زرعیہ فیصل آباد۔ فرحان علی ناصر اقبال ٹاؤن لاہور۔ سلمان طارق اقبال ٹاؤن لاہور۔ بلال احمد جوہر آباد۔ صادق علی فوارہ چوک صادق آباد۔ محمد آصف تارڑ اسلامیہ پارک لاہور۔ پرنس ایم سلیم شیخ سنجھورو۔ ذوالفقار حیدر راجپوت سنجھورو۔ ستّار سوہی سانگھڑ۔ ستّار کھوچی ناز سنجھورو۔ محمد اشرف شاد چک ہوتہ۔ محمد شہباز اکمل بورے والہ۔

صابر مسعود (پتا نہیں لکھا)۔ طیب سعید اختر اسلام آباد۔ منگیتو سوہی سنجھورو۔

ایک غلطی والے 40 حل موصول ہوئے۔ ان میں سے شروع کے 12 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی 25،25 روپے کی کتابیں دی گئی ہیں۔

نفیسہ احسان مغل نگہبان پورہ فیصل آباد۔ نکہت بتول نقوی بہاولپور۔ اعظم خاقان دہلی گیٹ لاہور۔ محمد عطا اللہ کامرہ۔ سعید مغل فیصل آباد۔ آصف علی کوریجو کیرپور ماتھیلو۔ راحیلہ عشرت بہاولپور۔ جواد شفیق فیصل آباد۔ توصیف ضیا اسلام آباد۔ احتشام الٰہی سرگودھا۔ محمد علی شکیل ننڈو آدم۔ وحید ممتاز جوہر عارف والا۔

محمد علی آصف مانسہرہ۔ ملک رضوان الحق خوشاب۔ جواد متین وحدت کالونی لاہور۔ محمد احسن نذیر مجاہد آباد لاہور۔ نصیر احمد برکی ارمڑمیانہ پشاور۔ ظفر حسین جاوید نگر ملتان۔ محمد سلیم اعوان پوٹہ خورد ڈیرہ اسماعیل خان۔ محمد صفی اللہ خان لاہور کینٹ۔ مہوش ثمرین سمہ سٹہ۔ آغا ظفر احمد کراچی۔ مدثر احمد میاں دہلی گیٹ لاہور۔ نجم الثاقب فوارہ چوک فیصل آباد۔ شفیق ابراہیم گوجرانوالہ۔ عمران

ارشد لیاقت پور رحیم یار خان۔ عثمان علی بیگ بھکر۔ راشدہ معراج دین نیو ٹاؤن شپ لاہور۔ منصور احمد سومرو واپڈا کالونی گڈو۔ شعیب سلطان کلفٹن کالونی لاہور۔ منصور اجمل اقبال ٹاؤن لاہور۔ آفتاب احمد انصاری گکھڑ منڈی۔ شائلہ فردوس انصاری

دماغ لڑاؤ

حل کے ساتھ کوپن بھیجنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 جنوری ہے۔

پتا: ماہنامہ تعلیم و تربیت 32 ایمپریس روڈ لاہور

نام ______ عمر ______

پتا ______

Scanned by CamScanner

گکھڑ منڈی۔ سعید شرجیل ناظم آباد کراچی۔ محمد ندیم اکرم بٹ سیالکوٹ۔جواد ظفر چوہدری چکالہ۔ احسان نارتھ ناظم آباد کراچی۔ صنم سنبل پشاور یونیورسٹی۔ محمد زبیر فیصل آباد۔ محمد ثاقب منصوری سانگھڑ۔

دو غلطی والے 43 حل موصول ہوئے۔ان میں سے شروع کے 10 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی 20.20 روپے کی کتابیں دی گئی ہیں۔

حمیرہ عزیز راولپنڈی۔ شیر نواز گل ارمڑپایان۔ مُنزہ امام منڈی بہاء الدّین۔ شمائلہ نعمت رحمان پورہ لاہور۔ شوکت عباسی راولپنڈی۔ محمد عدیل افضل راوی روڈ لاہور۔ زمران سہیل رحمان پورہ لاہور۔ مطہرہ تبسم سیالکوٹ۔ کنیز فاطمہ ملتان۔ اشبان بہادر رحمان پورہ لاہور۔

جہانزیب خان راولپنڈی۔ ثوبیہ صدیق شیخوپورہ۔ سمیرا صدیق ملتان روڈ لاہور۔ کاشف سلیم بھکر۔ صدف شباب واہ کینٹ۔ حافظ اکبر علی ساجد شیخوپورہ۔ سیدہ نازش گیلانی گھوڑے شاہ روڈ لاہور۔ طوبیٰ رحمٰن گلشن راوی لاہور۔ پروین کوثر فیصل آباد۔ محمد سعید چھوہر شریف ہری پور۔ وسیم قمر فیصل آباد۔ امیر عالم مرزا بہاولپور۔ عطیہ بشیر فیصل آباد۔ عبدالہادی پشاور۔ جمشید عالم نیکسلا۔ احمد شہباز اقبال اچھرہ لاہور۔ منور احمد میاں لاہور۔ عامر بشارت بٹ دیپالپور۔ زبیر احمد چیمہ گلگشت کالونی ملتان۔ ندیم عارف نواب آباد واہ کینٹ۔ اسدُ اللہ وسن پورہ لاہور۔ عنبرین افضل وسن پورہ لاہور۔ محمد لقمان شیخوپورہ۔ وقار بن انعام فیصل آباد۔ عثمان شبیر ماڈل ٹاؤن لاہور۔ حنا بٹ ملتان روڈ لاہور۔ عمران یونس چک نمبر MB/45-A خوشاب۔ شمائلہ کرن اوکاڑہ۔ سعد احمد لاہور کینٹ۔ احمد فیصل ماڈل ٹاؤن لاہور۔ محمد سلیم رضا برڈ روڈ لاہور۔ انجم مجید بکھڑ واپڈا کالونی گنڈو کشور۔ ظفر اقبال وسن پورہ لاہور۔

تین غلطی والے 88 حل موصول ہوئے۔ ان میں سے شروع کے 10 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی 15.15 روپے کی کتابیں دی گئی ہیں۔

وقاص سرور گکھڑ منڈی۔ ارسلان احمد مغلپورہ لاہور۔ ملک فرحان احمد گجرات۔ ثنا احمد ماڈل ٹاؤن لاہور۔ سید اسد عباس ہمدانی سمبل گاہ کوئٹہ۔ محمد سعید رضا بورے والا۔ اقصیٰ مجید گرین ٹاؤن کراچی۔

عادل سلیم سمن آباد لاہور۔ قاضی اعزاز احمد ڈیرہ اسماعیل خان۔ نائلہ شیرازی اسلام پورہ لاہور۔ سحر ذوالفقار احمد چکالہ۔ وقار احمد ناصر ملک وال۔ زاہد نثار گوٹھ ماچھی۔ ملک محمد حنیف شہزاد چک نمبر E.B/437 بھٹو کالونی۔ طاہر محمود NW/729 سید پور۔ ملک محمد حنیف شہزاد چک 437 ۔ ای بی بورے والا۔ فرحان الطاف گرین ٹاؤن کراچی۔ احسن جاوید فیصل ٹاؤن لاہور۔ محمد سعید شہزاد بوریوالہ۔ عبدالرشید چک نمبر E.B/437 بھٹو کالونی۔ ثمرہ زبیر بھٹی ملتان روڈ لاہور۔ محمد جابر یونس مزنگ لاہور۔ سید محمد حسن رضا دہلی گیٹ لاہور۔ ریحان اشعر واہ کینٹ۔ عفان رؤف فیصل آباد۔ مدیحہ رؤف فیصل آباد۔ عمران قریشی گلشن کالونی بھٹہ۔ حمّاد نذیر اسلام آباد۔ صدف نذیر اسلام آباد۔ شگفتہ مغل گرین ٹاؤن لاہور۔ عمر مجال انارکلی لاہور۔ عدیل محمود پشاور۔ عاطف محمود قریشی نیو سمن آباد لاہور۔ خرم شہزاد اشرف ایبٹ روڈ لاہور۔ مرین سجاد ملتان روڈ لاہور۔ عمر شمس راولپنڈی۔ سعید احمد کامرہ انک۔ محمد فرحان ہمایوں ساہیوال۔ محمد مبشر علی ساہیوال۔ محمد اسلم بھکر۔ ذیشان آفتاب واہ کینٹ۔ ملک کامران منصور گوجرانوالہ۔ سمیر منظور فیصل ٹاؤن لاہور۔ سید ثاقب اقبال کراچی۔ سعدیہ بہادر علی راولپنڈی۔ بلال شاہد کراچی۔ توفیق احمد سیال ڈیرہ اسماعیل خان۔ سید حسن رضا شاہ عالمی گیٹ لاہور۔ ساجدہ اقبال بھکر۔ نادر حسین بھکر۔ رضوان احمد ملک ڈھوک شوکت بگامیانہ۔ خالد محمود بھکر۔ مہدی حسن بھکر۔ عامر سلیم قریشی سمن آباد لاہور۔ محمد اعجاز سکھر سکنہ بلال آباد۔ ہما قاضی پشاور۔ سید ذیشان عارف نیو شادباغ لاہور۔ یاسر بشارت دیپالپور۔ پرنس سرفراز ملک ملتان۔ عمران نبی لاہور۔ عالمگیر عامر ارمڑمیانہ۔ محمد عارف حنیف لاہور کینٹ۔ رحمان ظہیر راجگڑھ لاہور۔ ارشاد حسین کھتری دریا آباد کراچی۔ حسن جلال سیالکوٹ۔ بیدار بخت سلیم ڈیرہ غازی خان۔ سید اعجاز احمد منگووال غربی گجرات۔ سیدہ قُرۃُ العین زہرا منگووال گجرات۔ عاکف حمید لائن پار مریدکے۔ معین احمد بٹ گوجرانوالہ۔ احتشام بٹ سرگودھا۔ عمر یوسف خان اسلام آباد۔ محمد کامران آصف مصری شاہ لاہور۔ صہیب شمیم گڑھی شاہو لاہور۔ ثنا نثار گوٹھ ماچھی صادق آباد۔ انس منور گوجرانوالہ۔ شبینہ کوثر راولپنڈی۔ سیدہ صائمہ مختار منگووال گجرات۔ سید شاہد عباس منگووال گجرات۔ عمران اللہ خان گنڈہ پور کلاچی۔ تنزیلہ رفیق بہاولپور۔ مبین خورشید رحمان پورہ لاہور۔ حنا فاروق رسال پور۔ یاسر متین ملتان روڈ لاہور۔ دیبا ناز کوہاٹ روڈ پشاور۔

اِن ساتھیوں کے حل 10 دسمبر کے بعد موصول ہوئے۔ اِس لیے مقابلے میں شامل نہیں ہو سکے:

محمد اویس علی قریشی نظام خان گیٹ۔ سمیرا انعام اقبال ٹاؤن لاہور۔ نصیرُ الدّین بٹ جہال خانوآنہ۔ شیخ فیاض احمد خانقاہ ڈوگراں۔ اسما ناز بہاولپور۔ شہباز خاں بابر ٹوانہ عمرپورہ۔ عاصمہ اختر ملک وارث روڈ لاہور۔ شاہ عابد کھلا بٹ صوابی۔

آیئے دوست بنائیں

محمد رضوان اشرف 13 سال
ٹکٹ جمع کرنا، کرانے، مطالعہ
کینیڈین ہائی کمیشن۔ اسلام آباد
پوسٹ بکس۔ 10.42

محمد جاوید جالب 16 سال
کرکٹ کھیلنا۔
دھونکل۔ تحصیل وزیر آباد
ضلع گوجرانوالہ۔

شاہد عمران پیر 14 سال
تعلیم و تربیت پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
مکان نمبر1 گلی نمبر2 زیڈ بلاک
گورنمنٹ کالونی اوکاڑہ۔

محمد شہزاد اقبال 13 سال
کرکٹ، مطالعہ
صوفی محمد اقبال، چک 88
محلہ بلال پورہ شاہ کوٹ

میاں نعیم الیاس 13 سال
کبڈی، فٹ بال کھیلنا
بمقام و ڈاکخانہ اتم
کھاریاں گجرات

سید عدنان شہزاد 12 سال
رسائل پڑھنا
گلی ڈاکٹر شاہ والی محلہ
اسلام پورہ پسرور روڈ سیالکوٹ۔

سید محمد احمد 12 سال
ہنسنا اور ہنسانا
B-81۔ کھتری پاڑہ
موچی بازار۔ سکھر۔ سندھ

مہدی حسن 12 سال
گلوکاری۔ قلمی دوستی
مکان نمبر 44/A طارق روڈ
نواں شہر ملتان

محمد طاہر ضیا 12 سال
مطالعہ قرآن
s/o اکبر علی چک 73/5cc
شمالی ساہیوال

سجاد خان 14 سال
باغبانی۔ کتابیں پڑھنا
حیدر وتک کیڈٹ کالج
حسن ابدال۔ اٹک

محمد شہباز ریاض 13 سال
تعلیم و تربیت، ٹیبل ٹینس
16-c کمرشل ایریا
سٹلائیٹ ٹاؤن بہاول پور

سید محمد ہارون 10 سال
ٹکٹ سکے ماچس اور کرنسی جمع کرنا
A-158 غریب آباد
نواب شاہ

محمد شعیب 14 سال
ڈائری لکھنا
چک جھمرہ۔ محلہ رسول پورہ
گلی نمبر2 ضلع فیصل آباد

شہزاد اشفاق 15 سال
فٹ بال، کرکٹ
مکان نمبر A/490/A گلی
نمبر17 موہن پورہ راولپنڈی

بلال احمد 13 سال
کرکٹ، تعلیم و تربیت
محمد اسلم مکان نمبر3 گلی ملک
یعقوب جہانگیر آباد۔ شیخوپورہ

مصطفیٰ سونا 15 سال
کرکٹ، تعلیم و تربیت
مکان نمبر 949/A نور محلہ
اندرون بھاٹی گیٹ۔ لاہور

ساجد محمود 15 سال
مطالعہ
گورنمنٹ ہائی سکول
کالاباغ

سید عثمان فاروق 9 سال
تعلیم و تربیت، کرکٹ
S-4۔ صنوبر کالونی
تربیلا ڈیم

شاہد حسن شاہ 14 سال
گیت سننا
محلہ قبرستان۔ ولیوالی
تحصیل و ضلع میانوالی

ظفر ریاض احمد 14 سال
کرکٹ، تعلیم و تربیت
چک ہوتہ تحصیل و ضلع
پاک پتن شریف

رانا محبوب علی 16 سال
سکاؤٹنگ اور دوستی کرنا
راجپوت ٹیڈرز گیٹ
سبزمنڈی بھلوال۔ سرگودھا

فاروق ساگر 13 سال
کرکٹ، شاعری
B/140۔ گڑھی شاہو
لاہور

محمد امین حنیف 13 سال
کرکٹ، تعلیم و تربیت
محمد حنیف۔ بڑا چوک
داگراں بازار قصور۔

آیئے دوست بنائیں
جنوری 1994ء

قلمی دوستی کی اس محفل میں شریک ہونے کے لیے
یہ کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز بلیک اینڈ وائٹ تصویر بھیجنا ضروری ہے
(لڑکیاں اس میں حصہ نہیں لے سکتیں۔)
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ شارع بن بادیس لاہور۔

نام ________ عمر ________

مشاغل ________

پتا ________

[illegible]

دسمبر کا سرورق نہایت خوبصورت تھا۔ یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آیندہ تعلیم و تربیت کے صفحات 64 ہوں گے۔ سلسلے وار کہانی خاصی دلچسپ لگی۔ اس کے علاوہ بلیوں کی حکومت' جنگلی عقاب' کالاباری کا ایک اور سفر بھی اچھی لگیں۔ کیا کیوں اور کیسے کا سلسلہ اچھا چل رہا ہے۔ (سارہ سعید ملک' بہاولپور)

دسمبر کا تعلیم و تربیت بہت ہی اچھا تھا۔ کہانیاں بھی سب ہی اچھی تھیں؛ خاص طور پر بھالو کا تحفہ' سفید چھتری' نیکی کا ووٹ اور بلیوں کی حکومت۔ غیبی انسان ناول کی پہلی قسط پڑھ کر بہت مزا آیا۔ (شیریں اختر النساء' سیالکوٹ شہر)

کہانیوں میں بھالو کا تحفہ' نیکی کا ووٹ' سفید چھتری اور نظموں میں گاجر بہت پسند آئی۔ چٹ پٹے مسالے دار بھی بہت پسند آئے۔ چچا جھکلڑ کب آ رہے ہیں؟ (اختر ملک' وارث روڈ لاہور)

دسمبر کا رسالہ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں بھالو کا تحفہ' شہزا سانپ' سفید چھتری' نیکی کا ووٹ' کالاباری کا ایک اور سفر' جنگلی عقاب اور غیبی انسان پسند آئے۔ (راؤ عبدالستار' کراچی)

دسمبر کا شمارہ نہایت دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں سے پر ہے۔ نظم "گاجر" بہت مزے دار تھی' بالکل گاجر کی طرح۔ اس دفعہ کہانیوں پر جانور چھائے ہوئے تھے' یعنی بھالو' سانپ' بلیاں اور عقاب۔ "غیبی انسان" زبردست ناول ہے۔ مجھے جاسوسی اور ڈراؤنی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ (روبینہ جاوید' صدر راولپنڈی)

دسمبر کا رسالہ بے حد پسند آیا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ سرورق تو بے حد خوبصورت تھا۔ نئے ناول "غیبی انسان" کی پہلی قسط اچھی لگی۔ (عبداللہ عرف شہزاد گل' پشاور)

دسمبر کا تعلیم و تربیت حسب روایت شاندار تھا۔ بھالو کا تحفہ' سفید چھتری' نیکی کا ووٹ اور جنگلی عقاب شاندار تھیں۔ نیا ناول "غیبی انسان" کی پہلی قسط بے حد پسند آئی۔ (احمد ادریس' رتہ کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان)

دسمبر کا شمارہ اچھا تھا۔ کیا' کیوں' کیسے اور شہزا سانپ سے کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ (ثمینہ فراز' اورنگی ٹاؤن' کراچی)

Scanned by CamScanner

میں کہانی لمبی کیڑا بہت پسند آئی۔ نیا سلسلے وار ناول "غیبی انسان" بہت مزے دار ہے۔ (رفعت عبدالرزاق، ملتان)

چٹ پٹے مسالے دار کا سلسلہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ نظم قائدِاعظم پسند آئی۔ کہانیوں میں سفید چھڑی، نیکی کا ووٹ اور جنگی عقاب پسند آئیں۔ نیا ناول غیبی اِنسان بھی بہت پسند آیا۔ (محمد فاروق علی، ملتان روڈ لاہور)

دسمبر کا رسالہ بہت مزے دار تھا۔ ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ غیبی اِنسان اور بھالو کا تحفہ کہانیاں پسند آئیں۔ (عفیفہ کنول فیصل آباد)

دسمبر کا رسالہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ میں نے چند تجاویز پیش کی تھیں۔ کیا وہ قابلِ عمل ہیں؟ (حلیمہ اختر، فیصل آباد)

○ آپ کی تجویزوں پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اِطمینان رکھیں۔

دسمبر 1993ء کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ساری کہانیاں بے مثال تھیں۔ غیبی اِنسان، بھالو کا تحفہ اور جنگی عقاب نے تو سارے تعلیم و تربیت کو چار چاند لگا دیے۔ (آمنہ عبداللہ، گلشن کالونی فیصل آباد)

ماہِ دسمبر کے تعلیم و تربیت کی تعریف کے لیے الفاظ کا اِنتخاب نہایت مشکل لگ رہا ہے۔ ایک روپے کا اِضافہ ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ (عثمان نیاز، فیصل آباد)

دسمبر 93ء کا تعلیم و تربیت ملا۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ جو تحریریں مجھے بہت پسند آئیں اُن میں جنگی عقاب، نیکی کا ووٹ، سفید چھڑی، اللہ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے، ٹھیک بات، بلّیوں کی حکومت، سُنہرا سانپ اور غیبی اِنسان شامل ہیں۔ (محمد ذیشان بن نذیر، فیصل آباد)

دسمبر کا شمارہ بہت خوبصورت تھا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ سِلسلہ وار ناول "غیبی اِنسان" شروع کر کے آپ نے بہت اچھا کیا۔ (طاہر محمود، راولپنڈی)

سرِوَرق شاندار تھا۔ کہانیوں میں بلّیوں کی حکومت، نیکی کا ووٹ اور سفید چھڑی اچھی لگیں۔ نظم گاجر بھی اچھی تھی۔ (مریم انصاری، اسلام آباد)

یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی کہ "تعلیم و تربیت" میں آٹھ صفحوں کا اِضافہ ہو رہا ہے۔ سب کہانیاں بہت پسند آئیں۔ لیکن سب سے زیادہ مزیدار بلّیوں کی حکومت، سُنہرا سانپ اور بھالو کا تحفہ تھیں۔ نظموں میں قائدِاعظم اور میرا وطن پسند آئیں۔ (راجا محمد صداقت، اِسلام آباد)

میرا نام شگفتہ ہے۔ میں تعلیم و تربیت بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ کیوں کہ اِس میں کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ اِس میں سب سے مزے دار کہانی "بلّیوں کی حکومت" تھی۔ (شگفتہ مغل، گرین ٹاؤن لاہور)

سرِوَرق بہت پسند آیا۔ نیا ناول "غیبی انسان" سسپنس سے بھرپُور اور بہت دِل چسپ ہے۔ اِس کے علاوہ بھالو کا تحفہ، جنگی عقاب اور نیکی کا ووٹ بھی بہت پسند آئیں۔ (حمّاد اِسحاق غوری لاہور)

میرے دوست نے مجھے تعلیم و تربیت پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے پڑھا تو مجھے بہت اچھا لگا۔ (حافظ محمد عمران، جناح روڈ گوجرانوالہ)

نیا ناول "غیبی اِنسان" بہت اچھا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ درسِ قرآن کو جاری رکھیں اور دانائی کی باتیں ختم کر کے ناقابلِ اِشاعت تحریروں کا کالم شروع کریں۔ اِس کے علاوہ ایک سِلسلہ ایسا بھی ہونا چاہیے جس میں ہم لطیفے، اقوال، معلومات اور اِقتباسات بھیجیں۔ (ساجدُ الرحمٰن، کوثر حیات ناز، قیوم آباد کراچی)

دسمبر کا رسالہ بہت پسند آیا۔ سب سے پہلے تو صفحات بڑھانے کا شکریہ۔ اِس دفعہ سرِوَرق بڑا ہی خوبصورت تھا۔ کہانیوں میں نیکی کا ووٹ، بلّیوں کی حکومت، کالاہاری کا ایک اور سفر اور نئے ناول غیبی اِنسان نے تو رسالے کو چار چاند لگا دیے۔ (اِرشاد حسین کھتری، کراچی)

سرِوَرق خاص نہ تھا۔ "قائدِاعظم" نظم بہت اچھی تھی۔ بھالو کا تُحفہ، نیکی کا ووٹ، بلّیوں کی حکومت، جنگی عقاب اور غیبی اِنسان کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ (سردار سیفُ الرحمٰن ڈوگر، ڈیفنس لاہور)

تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، سِوائے جنگی عقاب کے۔ نظموں میں قائدِاعظم اور گاجر بہت اچھی تھیں۔ (فائزہ نجم غوری، مغل پورہ روڈ لاہور)

"تعلیم و تربیت" نے اپنی خوبیوں سے میرا دل جیت لیا ہے اور میں نے اِسے ہر ماہ پڑھنے کا تہیّہ کرلیا ہے۔ دسمبر کے شمارے میں بھالو کا تُحفہ، سُنہرا سانپ، سفید چھڑی، نیکی کا ووٹ، بلّیوں کی حکومت، اور ناول "غیبی اِنسان" بہت پسند آیا۔ (محمد معینُ الدّین سیالوی، لانڈھی کراچی)

دسمبر کا رسالہ بہت پسند آیا۔ ساری کہانیاں لاجواب تھیں۔ نظمیں بھی بہت اچھی تھیں۔ (سعدیہ غفور، علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ)

معلوم ہے، میری امّی نے مجھے آج تعلیم و تربیت لاکر دیا ہے۔ امّی کہتی ہیں، ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں گھروں میں تعلیم و تربیت ہی پڑھا جاتا ہے۔ (بشریٰ نیاز، فیصل آباد)

اس شمارے میں بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ سب سے زیادہ اچھی "شیر کھال" تھی۔ [illegible] (عبدالعزیز [illegible])

لگتا ہے کہ [illegible] تعلیم و تربیت کے صفحات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ [illegible] تعلیم و تربیت کی قیمت میں ایک روپے کا اضافہ ضرور ہے۔ (عثمان جہانگیر، حبیب [illegible] کالونی [illegible])

ان ساتھیوں کے خط تاخیر کی وجہ سے شائع نہ ہو سکے۔

(لاہور) : عاصم [illegible]، [illegible] بیگ کینٹ، [illegible] [illegible] ٹاؤن، [illegible] حسن [illegible] علامہ اقبال ٹاؤن، [illegible] فردوس مارکیٹ، [illegible] اقبال ٹاؤن، [illegible] پاکستان منٹ، [illegible] اقبال ٹاؤن، [illegible] اقبال ٹاؤن، [illegible] علامہ اقبال ٹاؤن، [illegible] گلبرگ 11، [illegible] اقبال ٹاؤن، عمر فاروق بٹ گلشن راوی۔

(کراچی) : [illegible] گلشن اقبال، [illegible] سلمان مبارک علی، [illegible] جاوید ماڈل کالونی۔

(پشاور) : [illegible] محمد ہاشم، [illegible] گلبرگ 11، [illegible] علی رضا [illegible] کالونی۔

(گوجرانوالہ) : ملک کامران [illegible] محلہ اسلام آباد، [illegible] عمر فاروق، [illegible]

احاطہ دین قلعہ دیدار سنگھ، محمد شاہجہان بھٹی جلیل ٹاؤن، فرید احمد محلہ اسلام آباد، خرم طارق بھٹو وحدت کالونی، محمد طارق ایوب کشمیر کالونی، حسن ندیم بھٹی راجپوت جلیل ٹاؤن، وسیم شوکت۔

(ملتان) : مظفر اقبال، احمر فرقان ولایت آباد، ضاد بن اعجاز

(ڈیرہ اسماعیل خان) : افتخار حسین واپڈا کالونی، محمد سلیم اعوان پوتہ، محمد شعیب، تصمیم رشید آباد، شائلہ برلاس، سمیرا، ذیشان اسلامیہ کالونی۔

(ساہیوال) : محمد مبشر علی صرافہ بازار، بابر عزیز، شہزاد گل، محمد شاہد، ذیشان رفیق، مرزا واصف بیگ۔

(راولپنڈی، اسلام آباد) : سعادت الطاف، فرخ محمود مغل فیصل شہید روڈ، راجا شوکت عباسی سیٹلائٹ ٹاؤن، سامیہ شازی سیٹلائٹ ٹاؤن، دلبر خان مواتی پیر ودھائی، احمد سعید بٹ کرتار پورہ، تنویر عارف گلستان کالونی، حامد مختار گوجر، ایم اے احمد، محمد مستنصر اشرف گندی گلی لالکڑتی، محمد اکبر اویس الٰہ آباد، عائشہ سلیم، حرا نورین سوہان کالونی مسلم ٹاؤن، عثمان محمود شیر زمان کالونی، راجا محمد عرفان، شیخ ذیشان حمید آدم جی روڈ، محمد اویس فیصل کینٹ، الیاس احمد، عمر احمد۔

(رحیم یار خان) : محمد سلیم ہاشمی نظامی دواخانہ، فرخ اسلم، امجد صادق آباد، عاصمہ ہُدیٰ خان، عارفہ ہُدیٰ خان، طٰہٰ ہارون رشید خان، زہرہ احمد۔

(گجرات) : سونیا الیاس، ثنا اکرم، مہد ریاض رانیوال سیداں، ماہ رُخ اشرف، نویلہ رشید دھنی، اعجاز ساغر دُکھی سرگودھا روڈ، صائمہ بشیر چاہ بھنڈر شاہ۔

(بہاولپور) : محمد عثمان نسیم چک 9/B.C - اسما ناز، سیدہ سوش منور احمد پور شرقیہ، محمد شہباز چک 65 - رابعہ رحمان، عصمت بتول نقوی سیٹلائٹ ٹاؤن۔

(جھنگ) : محمد زبیر خان بابر، عبداللہ خان، ارم طاہرہ، نسیم کوثر پرانا چنیوٹ روڈ، فاطمہ بچو، نعمان علی، بابر فراز، ذیشان حیدر، محمد عکاشہ سلمان۔

(سیالکوٹ) : عدنان صادق، وحید افضل، مرزا محسن بیگ، حسن جلال بارہ پتھر، بابر بشیر ظفر علی روڈ۔

چوہدری رضوان، شیخ محمد افضل، سید حسن رضا ڈیرہ غازی خان، محمد فاروق جلیس، محمد شہزاد تبسم، شفقت بتول لیہ، شاہد اختر، ریاض احمد، مدیحہ طارق اٹک، محمد اعجاز، عابدہ زیب، طیبہ زیب سرگودھا، قیصر ایوب مغل کھلابٹ، محمد سعید رضا، ملک محمد حنیف شہزاد بورے والا، فیصل محمود اعوان وہاڑی، راجا توصیف ارشد ڈومیلی جہلم، شیراز احمد بٹ، طاہر ناز انصاری دینہ، طاہر ایوب بہاولنگر، سید عمران حیدر شاہ بھکر، سیدہ شازیہ سرفراز علی سکھر۔

Scanned by CamScanner

سردی آئی

سردی آئی، سردی آئی
مفلر، کوٹ، سویٹر لائی
لسّی، شربت، ستّو بھاگے
ساتھ ہی بھاگی ہے سردائی
کھائیں گے اخروٹ اور پستہ
اوڑھیں گے سب گرم رضائی
اب تو کھانے کو دل چاہے
دُودھ، جلیبی اور مٹھائی
گاجر حلوا خوب چلے گا
خوب کھائیں گے حلوائی
سردی کی شدّت سے بچنا
بات بڑوں نے ہے سمجھائی

ریاض حُسین قمر

Scanned by CamScanner

چٹ پٹے مسالے دار

چچا

ہمارے لاہور والے چچا فوت ہو گئے تھے اور ہم سب گھر والے اُن کے جنازے میں شرکت کے لیے لاہور جا رہے تھے۔ جب ہماری بس شیخوپورہ پہنچی تو میرے چھوٹے بھائی وقاص نے امّی سے پُوچھا "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

امّی نے جواب دیا "بیٹا، ہم لاہور جا رہے ہیں"۔

"ہم لاہور کیوں جا رہے ہیں؟" وقاص نے پوچھا۔

"بیٹا، تمہارے چچا فوت ہو گئے ہیں" امّی نے جواب دیا۔ وقاص نے بس میں بیٹھے ہوئے مُسافروں کو دیکھا، اور پھر بولا "امّی، کیا اِن سب کے چچا بھی فوت ہو گئے ہیں؟"۔

(علی اصغر، واربرٹن ضلع شیخوپورہ - اِنعام : 25 روپے کی کتابیں)۔

نو تاریخ، چھ تاریخ زندہ بادا

یہ واقعہ میرے والِد صاحِب کو اُن کے ایک دوست سیف زُلفی مرحوم نے سُنایا تھا۔ زُلفی صاحِب اُردُو کے بہُت اچھے شاعِر تھے۔

میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ اُن دنوں تحریکِ آزادی کا بہُت زور تھا۔ ایک دن ہمارے اِسکول میں مُسلم لیگ کے ایک لیڈر نوآب چھتاری صاحِب تشریف لائے۔ اِسکول کے تمام اِسٹاف اور طَلبہ نے زندہ باد کے نعروں سے اُن کا اِستقبال کیا۔ نعرے لگانے میں مَیں سب سے آگے تھا اور پُوری قوّت سے چیخ چیخ کر کہ رہا تھا "نو تاریخ، چھ تاریخ زندہ بادا!"

اِسکول کے ایک اُستاد صاحِب نے یہ سُنا تو وہ بھاگے بھاگے میرے پاس آئے اور بولے "ارے میاں، یہ کیا کہ رہے ہو؟ اِن کا نام نوآب چھتاری ہے، نو تاریخ، چھ تاریخ نہیں"۔ (شہزادی سطوت، باغ بان پُورہ لاہور)

صَرف یا سُرف

یہ واقعہ ہمارے ایک رِشتے دار کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اُن دِنوں وہ مُلازمت کے سلسلے میں سعودی عرب گئے ہوئے تھے۔ ایک دِن اُن کے "کفیل" نے (جس کے پاس وہ کام کرتے تھے) اُنھیں 100 ریال کا نوٹ دیا، اور کہا کہ اِس کا صَرف لے آؤ۔

صَرف عربی میں چینج یعنی ریزگاری کو کہتے ہیں۔ ہمارے رِشتے دار صاحِب کو عربی نہیں آتی تھی۔ وہ بازار گئے اور جب واپس آئے تو اُن کے ہاتھوں میں سُرف کے 25 ڈبّے تھے۔ کفیل نے غصّے سے کہا "یہ کیا ہے؟"

وہ سمجھے کہ ڈبّے کم ہیں، اِس لیے کفیل غُصّے ہو رہا ہے۔ جلدی سے بولے "یا شیخ! اِتنے ہی اور آ رہے ہیں"۔

یہ سُن کر کفیل کی ہنسی نِکل گئی۔ اُس نے کہا "صَرف عربی میں ریزگاری کو کہتے ہیں۔ میں نے تمھیں ریزگاری لانے کو کہا تھا، اور تم سُرف کے ڈبّے لے آئے"۔

جب انھوں نے ہمیں یہ واقعہ سنایا تو ہم ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ (ایمان خالد، جناح کالونی فیصل آباد)

اِنعام

موسم بہُت خوش گوار تھا۔ ہم سب گھر والے صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ گیٹ کی گھنٹی بجی۔ میں نے اپنی چھوٹی بہن عارفہ سے کہا: جاکر دیکھو، کون ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی اور کہا "بھائی، اِنعام آیا ہے"۔

میں نے تعلیم و تربیت میں ایک کہانی بھیجی تھی۔ میں سمجھا کہ کہانی شائع ہو گئی ہے اور اُس کا اِنعام آیا ہے۔ خوشی خوشی باہر گیا تو دیکھا کہ باہر میرا دوست اِنعام کھڑا ہے۔ میں نے جب گھر والوں کو یہ بتایا تو وہ خوب ہنسے۔

(طٰہٰ ہارُونُ الرّشید خان، رحیم یار خان)

Scanned by CamScanner

سائنس کے کھیل

ایک اور ساز

سامان: خالی بوتل، شیشے کی نلی، پانی۔

آپ نے شاید جل ترنگ دیکھا ہو۔ یہ ایک ساز ہے۔ اِس میں سات پیالے ہوتے ہیں اور ہر پیالے میں پانی کی ایک خاص مقدار ہوتی ہے۔ جب اِن پیالوں کو ہلکی سی چھڑیوں سے بجایا جاتا ہے تو مختلف سُر پیدا ہوتے ہیں۔ اِسی قِسم کا ایک انگریزی ساز بھی ہے جسے زومبون کہتے ہیں۔

آیئے، آپ کو یہ ساز بنانے کی ترکیب بتائیں۔

شیشے کی ایک بوتل پانی سے بھرلیں۔ پھر شیشے کی ایک نلی اِس بوتل میں ڈال دیں۔ اگر آپ نلی کے سامنے ہونٹ رکھ کر پھونک ماریں گے تو سیٹی بجے گی۔ اِس سیٹی کو باریک یا موٹا بھی کیا جا سکتا ہے۔ نلی کا زیادہ حصّہ پانی میں ڈوبا ہُوا ہوگا

تو باریک آواز نکلے گی، کم ڈوبا ہوا ہوگا تو موٹی آواز نکلے گی۔ نلی پر ہونٹ رکھ کر اِس طرح پھونک ماریں جیسے بانسری بجائی جاتی ہے۔ پھونکنے کے دوران میں نلی کو اُوپر نیچے کریں گے تو مختلف سُروں کی آوازیں نکلیں گی۔

بوتل میں پھونک مارنے سے آواز کیوں نکلتی ہے؟

سامان: خالی بوتل اور پانی۔

اگر آپ کسی خالی بوتل کے مُنہ پر ہونٹ رکھ کر پھونک ماریں تو "ہو" کی سی آواز نکلے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

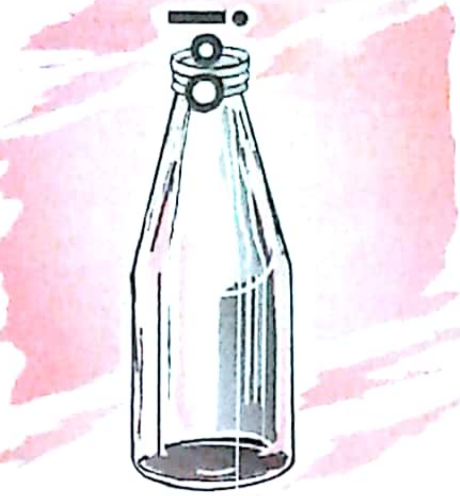

جس طرح پانی کی لہر کسی پتھّر کے ساتھ ٹکراتی ہے تو اُس کے مختلف حصّے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور بھنور سا بن جاتا ہے، بالکل اِسی طرح جب ہَوا کی لہروں کے راستے میں کوئی رُکاوٹ آجاتی ہے تو ہوا کی لہروں کے اُتار چڑھاؤ بھی ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور اُن میں بگولے پیدا ہونے لگتے ہیں۔

جب آپ بوتل کے مُنہ پر ہونٹ رکھ کر پھونک مارتے ہیں تو اُس سے جو ہَوا کی لہر پیدا ہوتی ہے، وہ بوتل کی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ بوتل کے اندر کی ہوا اور وہ ہوا جو پھونک مارنے سے پیدا ہوتی ہے، اِن دونوں ہواؤں کی لہریں ایک دوسرے سے ٹکرا کر گڈمڈ ہو جاتی ہیں اور بوتل کے اندر بگولے سے بن جاتے ہیں۔ اِن چھوٹے چھوٹے بگولوں میں سے ہر ایک نہ صِرف مُخالف ہوا کو پرے دھکیلتا ہے بلکہ اُس کے راستے میں جو رُکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، اُس کو بھی دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بگولوں کے جلدی جلدی پیدا ہونے کی وجہ سے ہوا اور بوتل کی دیوار میں اِرتعاش (تھرتھراہٹ) پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس اِرتعاش کی وجہ سے بوتل کے اندر کی ہوا میں بھی اِرتعاش پیدا ہوتا ہے اور اِس اِرتعاش کے سبب آواز پیدا ہوتی ہے۔

Scanned by CamScanner

پچھتاوا زندگی کا

شیراز رانا، بہاول پور

اِنسان کی زندگی میں یوں تو ہزاروں واقعات رُونما ہوتے رہتے ہیں مگر اِن میں سے کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی واقعات میں سے ایک واقعہ مجھے پیش آیا۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں گرمیوں کی چھٹیوں میں کراچی گیا تھا۔ کراچی سے ہم لوگ چناب ایکسپریس سے واپس بہاول پور آ رہے تھے۔ جب ہماری ٹرین حیدر آباد ریلوے اِسٹیشن پر پہنچی تو دو عورتیں ہمارے ڈبّے میں داخل ہوئیں اور میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ اُن میں سے ایک بُزرگ خاتون تھیں اور دوسری لڑکی تھی جو دیکھنے میں بُزرگ خاتون کی بیٹی لگتی تھی۔ اُس کی آنکھیں بہُت خوب صورت تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ٹرین نے اِسٹیشن چھوڑا تو میں رسالہ پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اُن بُزرگ خاتون نے میرے بارے میں پُوچھنا شروع کر دیا۔ میں جب اپنے بارے میں بتا چکا تو اُنھوں نے مجھے اپنے اور اپنی بیٹی کے بارے میں بتایا۔ میں خاموشی سے سُنتا رہا۔ مگر اُس وقت میری حیرت کی اِنتہا نہ رہی جب اُنھوں نے بتایا کہ اُن کی بیٹی اندھی ہے۔ میں نے پُوچھا، کیا یہ پیدائشی اندھی ہے؟ تو اُنھوں نے کہا کہ نہیں، یہ پیدائشی اندھی نہیں ہے۔ اپنی شرارت سے اِس حال کو پہنچی ہے۔ یہ کہہ کر اُنھوں نے جو داستان سُنائی وہ کچھ یوں ہے:

"رضیہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اِس کی عادت بچپن سے ہی چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کی تھی۔ ہر ایک سے مذاق کرتی اور چھیڑ چھاڑ سے باز نہ رہتی۔ میں نے اِسے کئی بار منع کیا لیکن اِس پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ ہمارے محلے میں ہر جُمعرات کو ایک اندھا فقیر بھیک مانگنے آتا تھا۔ یہ کم عقل اُسے بہُت تنگ کرتی تھی۔ کبھی اُس کی لاٹھی چھین لیتی، کبھی کہتی کہ بابا تمھیں تو نظر آتا ہے۔ تم لوگوں کو بے وقوف بناتے ہو۔ فقیر بے چارہ بہُت پریشان ہوتا اور کہتا "بیٹی، مجھ اندھے کو نہ ستایا کرو"۔ مگر یہ باز نہ آتی۔

"ایک روز وہ فقیر آیا تو رضیہ نے اُس کی لاٹھی چھپا دی۔ وہ اُسے تلاش کرنے کے لیے اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے لگا اور اِسی کوشش میں مُنہ کے بَل گر گیا۔ اُس کو اچھی خاصی چوٹ آئی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے رضیہ کو ڈانٹا اور فقیر سے مُعافی مانگی۔ اُس نے جاتے ہوئے کہا "بیٹی معذوروں سے مذاق نہیں کرتے۔ بعض اوقات یہ مذاق ساری زندگی کا پچھتاوا بن جاتا ہے"۔

"اور پھر اگلے روز عجب اِتّفاق ہُوا۔ رضیہ کا پاؤں سیڑھی سے پھسل گیا۔ یہ سر کے بَل گر پڑی اور بے ہوش ہوگئی۔ دو روز بعد ہوش آیا تو اندھی ہوگئی تھی۔ بڑے سے بڑے ڈاکٹر کا عِلاج کروایا مگر ٹھیک نہ ہوئی۔

بُزرگ خاتون یہ سُناتے ہوئے رو پڑیں۔ میں نے پُوچھا "کیا وہ فقیر دوبارہ آیا تھا؟"

اُنھوں نے جواب دیا "نہیں۔ وہ پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ ورنہ میں اُس کے پاؤں پکڑ کر اپنی بیٹی کی غلطی کی مُعافی مانگ لیتی۔ اِسے تو اب ساری زندگی کا روگ لگ چکا ہے"۔

اب جب بھی میں کسی اندھے کو دیکھتا ہوں تو مجھے وہی لڑکی یاد آ جاتی ہے اور خوف سے میرا رُواں رُواں کانپ اُٹھتا ہے۔

(پہلا انعام: 50 روپے کی کتابیں)

Scanned by CamScanner

جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے

ہمایوں الطاف، پشاور بورڈ

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں کراچی میں رہتا تھا اور دوسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ میرے ابّو نیوی میں کیپٹن تھے۔ ایک روز ہمارے ہاں ابّو کے بہت پُرانے دوست سلیم صاحب آئے۔ چند روز بعد انہوں نے فرمائش کی کہ اُن کو سُمندر کی سیر کرائی جائے۔

دوسرے روز ناشتا کرنے کے بعد ہم سُمندر کی سیر کے لیے روانہ ہوئے۔ افسر ہونے کے ناتے ابّو کو جلد ہی ایک لانچ مل گئی۔ مگر ساتھ ہی اُن لوگوں نے ہمیں سُمندر میں جانے سے روکا کیوں کہ جُون کا مہینا ہونے کی وجہ سے سُمندر کی لہریں کافی اُونچی تھیں۔ مگر ہم نے اُن کی بات سُنی اَن سُنی کر دی۔ ہمارے ساتھ میری بہن اور بڑے بھائی بھی تھے۔ ہم سُمندر میں پہلی مرتبہ سیر کرنے جا رہے تھے، اِس لیے بہت خوش تھے۔ مگر ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ ہم پر کیا کچھ بیتے گی۔ تقریباً صبح 10 بجے لانچ روانہ ہوئی۔

شام کے 4 بجے ہم نے واپس ہونے کا اِرادہ کیا تو اچانک لانچ کا اِنجن بند ہو گیا۔ ہم بہت حیران ہوئے۔ جب ہم نے لانچ کے ڈرائیور سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ لانچ کے گرد مچھلیوں کا جال لپٹ گیا ہے۔ مگر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ جال کو کاٹ دیا جائے گا۔ ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے اور ڈرائیور جال کاٹنے لگا۔ مگر دو گھنٹوں کی مُسلسل کوشش کے بعد بھی جال نہ کاٹا جا سکا۔ آخر لانچ کو اللہ اور سُمندر کی لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔

اب آہستہ آہستہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ مجھے ڈر لگنے لگا۔ لانچ کو سُمندر کی لہروں کی وجہ سے جھٹکے لگ رہے تھے۔ تمام لوگوں نے اُلٹیاں شروع کر دیں۔ آخر رات کے تقریباً 10 بجے لانچ ایک جزیرے کے کنارے لگ گئی۔ جزیرے سے ذرا آگے خطرے کا نشان لگا ہُوا تھا۔ ہم سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اگر خدا ناخواستہ وہ تھوڑی سی بھی آگے چلی جاتی تو ہمارا بچنا ناممکن تھا۔

بہرحال، سب سے پہلے لانچ کا ڈرائیور اُترا اور لانچ کو جزیرے کے کنارے پر باندھنے لگا۔ اِس کے بعد ہم لوگ اُترے۔ ہم نے سارا دن لانچ میں گزارا تھا۔ اِس وجہ سے تھکاوٹ کے ساتھ ساتھ بُھوک بھی لگ رہی تھی۔ مگر ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ ناچار بھوکے ہی سو گئے۔ صبح کو تقریباً 5 بجے ابّو کی آنکھ کُھلی۔ ہم بھی جلدی جلدی اُٹھنے لگے۔ ہم نے کنارے کی طرف دیکھا تو وہاں لانچ نہیں تھی۔ جب دُور نظر دوڑائی تو لانچ سُمندر کی لہروں میں گِھری ہُوئی دکھائی دی۔ ہمیں کئی چھوٹی چھوٹی کشتیاں نظر آئیں لیکن وہ اِتنی چھوٹی تھیں کہ ہم اُن میں نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ہم کشتی والوں سے کہتے کہ نیوی کے لوگوں کو بتا دو تو وہ اچھا کہہ کر غائب ہو جاتے۔

آخر عصر کے وقت ایک چھوٹی سی کشتی آئی۔ اُس میں ہم نے لانچ کا ڈرائیور بٹھا دیا کہ وہ جا کر نیوی کے لوگوں کو لے آئے۔ دوسرے دن صبح سویرے وہ آدمی ایک لانچ لے کر ہماری مدد کو آ پہنچا۔ ہم جلدی جلدی اُس میں سوار ہونے لگے۔ لانچ تقریباً 11 بجے ساحل پر لگی اور ہم گاڑی میں بیٹھ کر گھر پہنچ گئے۔ گھر والوں کا بہت بُرا حال تھا۔ ہمیں دیکھ کر اُن کی جان میں جان آئی۔

اگرچہ اِس واقعے کو تقریباً 9 سال گزر چکے ہیں مگر وہ دِن اور آج کا دِن، مجھے یہ واقعہ ابھی تک نہیں بُھولا۔

(دوسرا اِنعام: 45 روپے کی کتابیں)

ہم اور سانپ

شہزاد علی، گوجرہ

اُس دن بھی ایک شرارت نہ جانے کہاں سے ہماری

کھوپڑی میں آ ٹپکی اور ہم نے اُس پر عمل کرنے کے لیے اپنے دوست رِشار سے رابطہ قائم کیا۔

اور پھر جیسے ہی رات ہوئی، ہم اپنا سامان لے کر چھت پر پہنچ گئے۔ سامان کیا تھا؟ ایک پراندہ (مُوباف) تھا جو ہم نے باجی کا چُرا لیا تھا اور ایک لمبا سا دھاگا تھا۔ ہم نے پراندے کو دھاگے کے سرے سے باندھا اور نیچے گلی میں لٹکا دیا۔ اس کے بعد ہم نے اور رِشار نے خوشی سے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور نیچے دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ہم نے دیکھا کہ ایک لڑکا مُونگ پھلیاں چباتا ہُوا گلی سے گزر رہا ہے۔ پراندہ زمین پر پڑا ہُوا تھا۔ جیسے ہی وہ لڑکا پراندے کے قریب آیا، ہم نے دھاگا کھینچا اور پراندہ سانپ کی طرح اُس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ وہ "سانپ! سانپ" کہتا ہُوا مُونگ پھلیوں کا لفافہ وہیں پھینک کر بھاگ گیا۔ ہم تیزی سے نیچے کی طرف بھاگے اور لفافہ اُٹھالیا۔

جب ہم لفافہ اُٹھا کر اندر جانے لگے تو یہ دیکھ کر ہمارے اوسان خطا ہوگئے کہ دروازے میں ایک سانپ کھڑا ہے۔ ہم ذرا پیچھے ہٹے تو سانپ بھی آگے بڑھا۔ ہم نے یہ دیکھا تو بھاگ جانے ہی میں مصلحت جانی اور گلی کے موڑ کی طرف دوڑ لگا دی۔ جب ہم نے گلی کے موڑ پر پہنچ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو سانپ بھی ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ اب تو ہمارے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے۔ ہم پھر بھاگ نکلے اور جتنی تیز بھاگ سکتے تھے بھاگے۔

ہم اِسی طرح بھاگتے ہوئے، پورے محلّے کا چکّر کاٹ کر، واپس گھر میں داخل ہوگئے مگر سانپ کو تو جیسے ہم سے کوئی دُشمنی ہوگئی تھی۔ وہ بھی اندر آگیا۔ اب تو ہم اور بھی گھبرائے اور جب اور کچھ نہ سُوجھا تو ہم نے زور زور سے "سانپ آگیا! سانپ آگیا!" کہہ کر تمام گھر والوں کو اِکٹھا کرلیا۔ تھوڑی دیر بعد ابّو اور بھائی جان ہاتھوں میں ڈنڈے لیے وہاں پہنچ گئے۔

ہم ایک کونے میں بیٹھے سانپ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جو ہمارے رُکتے ہی دروازے میں کھڑا ہوگیا تھا۔

"کہاں ہے سانپ؟" بھائی جان نے آگے بڑھ کر پُوچھا اور ہم نے ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف اِشارہ کر دیا۔ اِس کے ساتھ ہی امّی جان، ابّو جان اور بھائی جان زور زور سے ہنسنے لگے۔ اور پھر جب بھائی جان نے سانپ کو پکڑ کر ہمارے سامنے کیا تو ہم یہ دیکھ کر بہُت شرمندہ ہوئے کہ وہ ہمارا ہی بنایا ہُوا سانپ یعنی پراندہ تھا اور اُس کے دھاگے کا سِرا ہمارے بُوٹ میں پھنسا ہُوا تھا۔

تمام گھر والے ہمیں دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے اور ہم (میں اور رِشار) شرم سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ بس ساتھیو، اُس دن سے ہم نے شرارتوں سے توبہ کرلی اور جِن لوگوں کو ہماری شرارتوں سے نُقصان پہنچا تھا، اُن سے بھی مُعافی مانگ لی۔ (تیسرا اِنعام: 40 روپے کی کتابیں)

نئے جُوتے

عظیمُ الدّین، ظاہر پیر

اسد آج بہُت خوش تھا۔ چار مہینے سے وہ نئے جوتے خریدنے کے لیے پیسے جمع کر رہا تھا اور آج وہ جوتوں کی دُکان کے شوکیس میں رکھے ہوئے سُرخ جُوتے تین سو میں خرید سکتا تھا۔ وہ جوتوں کے خیال میں کھویا ہُوا اُس دُکان کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں وہ اِسکول سے واپس آتے ہوئے روزانہ سُرخ جوتوں کا ایک خوب صورت جوڑا حسرت سے دیکھتا تھا۔ اُس کے ابّو ایک غریب پوسٹ مین تھے۔ اِس لیے اُس نے اُنہیں پریشان کرنا مُناسب نہ سمجھا تھا۔

Scanned by CamScanner

"بیٹے، خدا کے لیے میری مدد کرو۔ میرا بیٹا سخت بیمار ہے۔"

اچانک قریب سے اُسے ایک عورت کی فریاد سُنائی دی۔ اُس کے اُٹھتے ہوئے قدم رُک گئے۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو غم سے نڈھال ایک بوڑھی، کم زور سی، عورت میلے کپڑے پہنے، آنکھوں میں آنسو بھرے، کُرتے کا دامن پھیلائے، کھڑی تھی۔ لوگ اُس کی طرف توجّہ نہیں دے رہے تھے۔

اسد کو اُس کی حالت پر بہت ترس آیا۔ اُس نے عورت کو ایک طرف جاتے دیکھا تو کچھ سوچ کر اُس کے پیچھے چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ ایک پُرانے سے مکان میں گھُس گئی۔

اسد نے ٹوٹے پھُوٹے دروازے سے اندر جھانک کر دیکھا تو دھک سے رہ گیا۔ صحن میں درخت کے نیچے ایک چارپائی پر ایک لڑکا سویا ہُوا تھا۔ اُس نے سُنا، وہ عورت کہہ رہی تھی "میرے لال! میں نے تمھاری زندگی بچانے کے لیے آج پہلی بار فقیروں کی طرح لوگوں کے سامنے دامن پھیلایا۔ مگر اِتنی ذِلّت اُٹھانے کے بعد بھی کسی نے میری مدد نہیں کی۔ ڈاکٹر دواؤں کے لیے دو سو روپے مانگ رہا ہے۔ میں اِتنے پیسے کہاں سے لاؤں؟ تمھارے ابّو زندہ ہوتے تو یہ نوبت نہ آتی۔"

اسد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اِجازت لے کر اندر گیا اور اُس عورت کے آنسو پونچھے، لڑکے کو پیار کیا اور تین سو روپے اُس کی ہتھیلی پر رکھ کر چلا آیا۔ غریب عورت دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُسے دُعائیں دے رہی تھی۔

(چوتھا انعام: 35 روپے کی کتابیں)

شیش ناگ

نذیر احمد، رحیم یار خان

سردیوں کی رات تھی۔ ہم سب کمرے میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ہمارے صحن میں نیم کا درخت ہے۔ اُس سے کچھ فاصلے پر دروازے کے پاس چارپائی پر امّی لیٹی ہوئی تھیں۔ اچانک اُن کی نظر نیم کے درخت پر پڑی تو وہاں اُنھیں روشنی دکھائی دی۔ یہ روشنی ایسی تھی جیسے کوئی بلب جل رہا ہو۔ پہلے تو اُنھوں نے اُسے اپنا وہم سمجھا، لیکن تھوڑی دیر بعد پھر روشنی جلی تو اُنھوں نے ہمیں بتایا۔ ہم نے بھی درخت کی طرف دیکھا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے درخت پر روشنی جلی اور تھوڑی دیر بعد بُجھ گئی۔ نیم کے اُس درخت پر سے بجلی کا تار گزرتا تھا۔ ہم نے سوچا شاید تار شاٹ ہوگیا ہے۔ ہم نے مین سوئچ بند کر دیا۔ لیکن درخت پر روشنی ویسے ہی جلتی بُجھتی رہی۔

اب تو ہم سب کو ڈر لگنے لگا۔ میں نے ہِمّت کر کے درخت پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ لیکن کچھ دکھائی نہ دیا۔ ہم نے اپنے ہمسایوں کو بھی بُلالیا۔ اُنھوں نے بھی آکر دیکھا لیکن اُن کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آیا۔

یہ بات آہستہ آہستہ پُورے مُحلّے میں پھیل گئی، اور سب لوگ ہمارے گھر میں جمع ہوگئے۔ کوئی کہنے لگا کہ یہ جن ہے۔ کوئی کہنے لگا یہ بھُوت ہے۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ ایک نے کہا کہ یہ شیش ناگ ہے، جو روشنی میں چمکتا ہے۔ چُوں کہ روشنی ہِل بھی رہی تھی، اِس لیے سب کو یقین ہوگیا کہ یہ شیش ناگ ہی ہے۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ اِس کو مارا کیسے جائے؟ سب نے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔ آخر طے یہ پایا کہ ڈنڈے مار کر اِس کو نیچے گراتے ہیں۔ جیسے ہی یہ نیچے گرے، سب مل کر اِس کو مار ڈالیں۔ سب نے اپنا اپنا ڈنڈا سنبھالا اور شیش ناگ کو مارنے کے لیے تیّار ہوگئے۔ اِتنے میں میرا بھائی کسی سے وہ بڑا بلب مانگ لایا جو رات کو کرکٹ کا میچ کھیلنے کے لیے جلاتے ہیں۔ ہم نے اُس کو صحن میں رکھ کر جلایا تو ہر

Scanned by CamScanner

طرف روشنی ہی روشنی ہوگئی۔

اِس روشنی میں ہم نے درخت کو غور سے دیکھا تو سب کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہوگیا۔ اصل میں درخت پر ایک پالش کی ڈبیا لٹک رہی تھی۔ جب اُس کی چمک دار سطح پر روشنی پڑتی تو وہ چمکنے لگتی تھی اور جب ہوا سے اُس کی چمک دار سطح دوسری طرف چلی جاتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ روشنی بُجھ گئی ہے۔ اب بھی ہمیں یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہنس ہنس کر بُرا حال ہو جاتا ہے۔

(پانچواں اِنعام: 30 روپے کی کتابیں)

ایک بادشاہ

ماجِد مُختار چودھری، راولپنڈی

ایک بادشاہ اپنی سخاوت کی وجہ سے بہُت مشہور تھا۔ اُس کی سخاوت کے چرچے سُن کر ایک فقیر اُس کے محل کے دروازے پر گیا اور صدا دی۔ صدا سُن کر بادشاہ محل سے باہر آیا اور فقیر سے بولا "بابا معاف کرو"۔

فقیر یہ سُن کر بولا "میں نے تو سُنا تھا کہ تیرے در سے کوئی بھی سوالی خالی ہاتھ نہیں جاتا"۔

بادشاہ بولا "بابا' تمہاری قسمت میں کچُھ نہیں ہے"۔

فقیر یہ جواب سُن کر حیران ہُوا اور بولا "بادشاہ سلامت' آپ کو میری قسمت کا کس طرح پتا چلا؟"

بادشاہ نے کہا "اے درویش' جب میرے پاس کوئی سوالی آتا ہے تو میں اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہُوں اور ڈاڑھی کے جتنے بال میرے ہاتھ میں آجاتے ہیں' اُتنی ہی اشرفیاں سوالی کو دے دیتا ہوں۔ تمہاری صدا سُن کر جب میں نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا تو ڈاڑھی کا کوئی بال میرے ہاتھ میں نہیں آیا"۔

فقیر یہ سُن کر مسکرایا اور بولا "واہ! بادشاہ سلامت' واہ! ڈاڑھی بھی تمہاری' ہاتھ بھی تمہارا اور قسمت بتا رہے ہو میری۔ حضُور' اگر ڈاڑھی ہو تمہاری' ہاتھ ہو میرا تو پھر میری قسمت دیکھو"۔

فقیر کی یہ بات سُن کر بادشاہ بہُت خوش ہوا اور اُس نے فقیر کو بہُت سا اِنعام دے کر رُخصت کیا۔

(چھٹا اِنعام: 25 روپے کی کتابیں)

دائروں کا کھیل

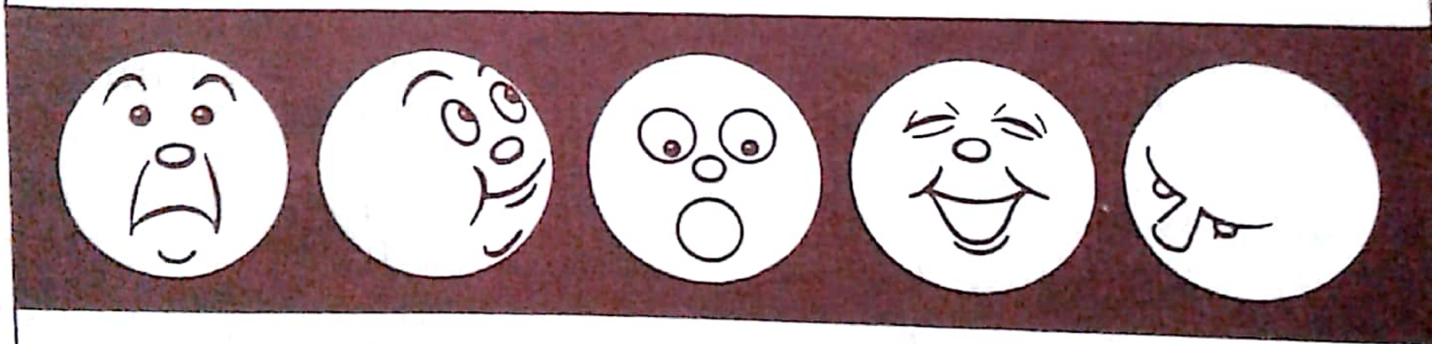

اِس طرح کے دائروں سے آپ بھی ہنستے، مسکراتے، روتے، بسورتے چہرے بنا سکتے ہیں۔

غیبی انسان - قسط نمبر 2

میں غائب ہوں

ایچ - جی - ویلز

ترجمہ: محمد یونس حسرت

قصبہ آئی پنگ کے لوگوں نے سفید اِتوار کا تہوار بڑی شان و شوکت اور جوش و خروش سے منایا تھا۔ روایت کے مُطابق ایسٹر کے بعد کے اِس ساتویں اِتوار کو لوگوں نے سفید کپڑے پہنے تھے اور گرجا گھر میں جمع ہو کر اِصطباغ یعنی بپتسمہ کی رسم ادا کی تھی اور اپنی اپنی توفیق کے مُطابق پادری بنٹنگ کی خدمت میں نذرانے پیش کیے تھے۔

سفید اِتوار سے اگلے روز یعنی سفید پیر کی بات ہے' رات کے پچھلے پہر اچانک پادری کی بیگم کی آنکھ کُھل گئی۔ اُس نے دروازہ کُھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سُنی تھی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ ذرا دیر بعد اُسے راہ داری میں قدموں کے گھسٹنے کی آواز سُنائی دی تو اُس نے اپنے شوہر کو جگایا۔ وہ دونوں خواب گاہ سے نکلے اور سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر کچھ سُننے اور دیکھنے کی کوشش کرنے لگے۔

پادری بنٹنگ کو مُطالعے کے کمرے میں کھٹ پٹ سی سُنائی دے رہی تھی۔ پھر ایک چھینک اُس کمرے میں گونج گئی۔ اب تو شک کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یقینی طور پر مُطالعے کے کمرے میں کوئی شخص موجود تھا۔ پادری نے آتش دان کی آگ کُریدنے والا لمبا سا چمٹا لیا اور بیگم کے ساتھ سیڑھیاں اُترتے ہوئے اُس کمرے کا رُخ کیا۔

ہال میں مدھم مدھم سی روشنی تھی۔ مُطالعے کے کمرے کا دروازہ کُھلا تھا۔ پادری کو اپنی میز اور میز کی ایک کُھلی ہوئی دراز صاف نظر آ رہی تھی۔ اُس میز پر موم بتی بھی جل رہی تھی مگر کوئی آدمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سِکّوں کی چھن چھن کی آواز بھی سُنائی دے رہی تھی۔ اِس کا صاف اور واضح مطلب یہی تھا کہ کوئی چور میز کی دراز میں رکھی ہوئی نذرانوں کی رقم پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ پادری نے چمٹے کو نیزے کی طرح ہاتھ میں تھاما اور پھر جست لگا کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے چلّا کر کہا:

"ہینڈز اَپ!"

مگر کمرے میں کوئی نہ تھا۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ کمرا کسی آدمی کے وجود سے خالی' بالکل خالی دکھائی دے رہا تھا۔

پادری اور اُس کی بیگم نے سارے کمرے کی تلاشی لی۔

Scanned by CamScanner

میز کے نیچے دیکھا، آتش دان کی چمنی میں جھانکا، ردّی کی ٹوکری میں دیکھا بلکہ کوئلے رکھنے والی ٹوکری میں بھی دیکھ ڈالا۔ کہیں کوئی آدمی نہ تھا۔

پھر راہ داری میں ایک زور کی چھینک گونجی۔ پادری اور اُس کی بیگم نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔ اُنھوں نے پچھلا دروازہ تو کھلتے دیکھا مگر اُس دروازے سے باہر جاتا ہُوا کوئی آدمی دکھائی نہ دیا۔

"کیسی عجیب بات ہے!" پادری بنٹنگ نے حیرت سے کوئی بیسویں بار کہا۔

سفید پیر کی اسی صبح مسٹر ہال اور اُس کی بیوی مسز ہال سویرے سویرے بیدار ہوگئے۔ سفید اتوار کے تہوار کے بعد قصبے میں سفید پیر کا میلا لگایا جا رہا تھا۔ اس میلے کے سلسلے میں لوگوں کا کھانے پینے کے لیے سرائے میں آنا ایک معمول کی بات تھی اور اس کے لیے پہلے سے سارا انتظام کر لینا ضروری تھا۔

مسٹر ہال نے دیکھا کہ اجنبی کے کمرے کا دروازہ آدھا کھلا ہے اور اُس کی پٹیاں اور کپڑے وغیرہ فرش پر بکھرے پڑے ہیں۔ باہر کا دروازہ بھی کھلا تھا حالاں کہ اُسے اچھی طرح علم تھا کہ رات مسز ہال نے اس دروازے کو بند کر کے چٹخنی چڑھا دی تھی۔

"وہ تو اپنے کمرے میں نہیں ہے" مسٹر ہال نے جیسے اپنے آپ سے کہا "اور پھر اُس کے کپڑے تو یہاں پڑے ہیں۔ کپڑوں کے بغیر وہ باہر کیسے جا سکتا ہے؟"

ابھی وہ دونوں کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ اُن کے پیچھے باہر کا دروازہ کھلا اور اس کے ساتھ ہی ایک زور دار چھینک کی آواز آئی۔ مسز ہال نے ایک دم اجنبی کے کمرے کا رُخ کیا اور اس کے ساتھ ہی اُس کمرے میں جیسے ایک طوفان آگیا۔ بستر کی چادریں جیسے خود بخود اُچھلتی ہوئی مسز ہال کے چہرے پر آ پڑیں۔ اجنبی کا ہیٹ کھونٹی سے اُچھلا اور گھومتا ہوا مسز ہال کے گال پر آ لگا۔ ایک کرسی اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑی ہوگئی اور اُس کرسی نے مسز ہال کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہونے اور اندر کی طرف تالے میں چابی گھومنے کی آواز آئی۔

"بھوت! بھوت!" مسز ہال نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

عین اُسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور اُس میں وہ پُر

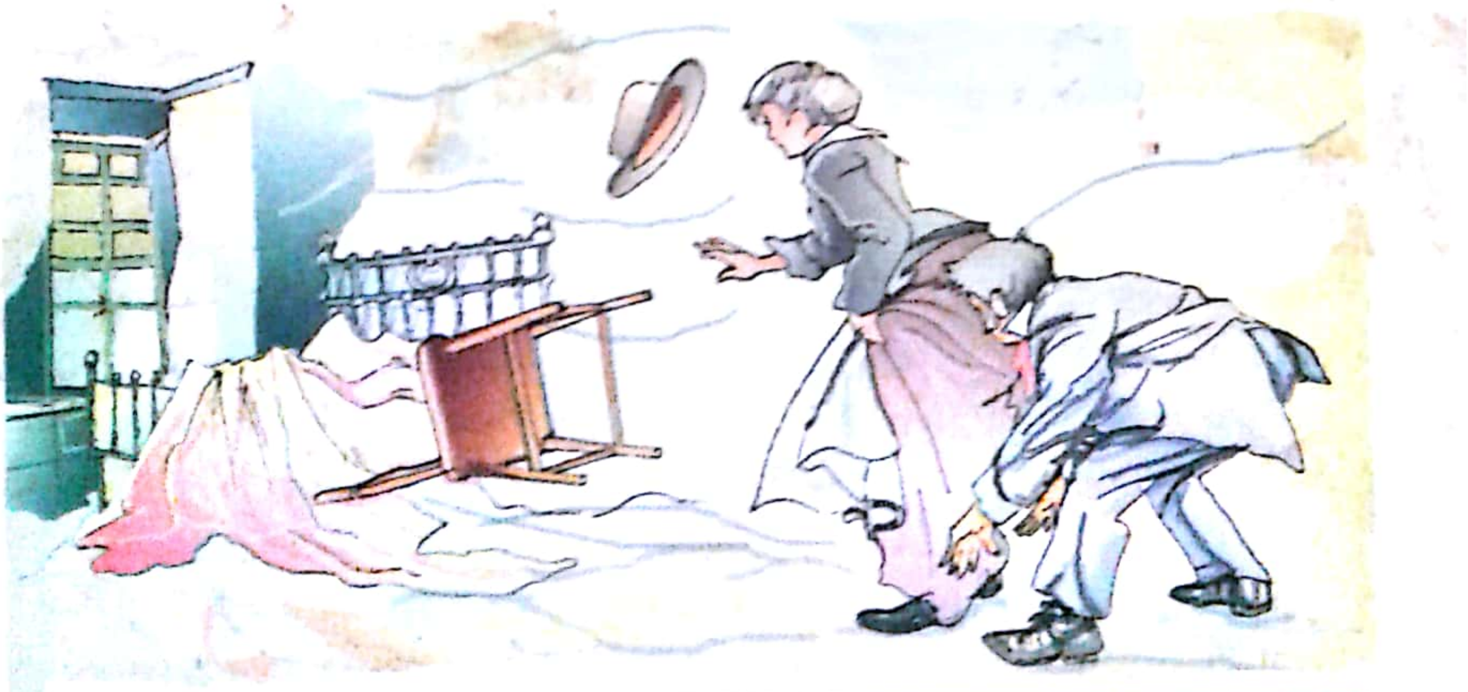

اسرار اجنبی سر سے پاؤں تک کپڑوں میں چھپا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ وہ غصّے بھری آواز میں چلّایا "دفع ہو جاؤ یہاں سے!" اور اس کے ساتھ ہی اُس نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔

باہر بڑا خوش گوار موسم تھا۔ میلے میں رونق بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس میں بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور مردوں، عورتوں سب ہی کے لیے رنگا رنگ دل چسپیوں کے سامان موجود تھے۔ کتابوں کے اسٹال تھے، جھولے اور ہنڈولے تھے، نشانہ بازی کے تختے تھے، کھانے پینے کی اشیا تھیں۔ ان کے علاوہ اور بہت کچھ تھا۔ قصبے میں جگہ جگہ رنگ برنگی جھنڈیاں لگی تھیں۔ ہر جگہ بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کے قہقہے گونج رہے تھے .... اور سرائے کے اندر پُراسرار اجنبی کے اندھیرے کمرے سے شیشیوں اور بوتلوں کی چھن چھن کی آواز آ رہی تھی!

دوپہر کے وقت اجنبی کے کمرے کا دروازہ ایک دم کھلا اور اُس نے مسز ہال کو آواز دی۔ مسز ہال ایک خالی ٹرے لیے باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی۔ اجنبی کی آواز سن کر وہ سیدھی اُس کی طرف چلی آئی۔ اجنبی نے کسی قدر غصّے سے کہا:

"یہ کیا مذاق ہے؟ دوپہر ہونے کو آئی اور مجھے ابھی تک ناشتا نہیں ملا"۔

"جب بقایا بل پانچ پانچ دن تک ادا نہ ہو تو ناشتا وقت پر کیسے مل سکتا ہے، جناب؟" مسز ہال نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے وقت پر رقم نہ ملے تو کیا کروں؟" اجنبی نے بے بسی ظاہر کرتے ہوئے کہا "لیکن ٹھہرو! میں اپنی جیبیں دیکھتا ہوں۔ شاید کسی جیب میں کچھ رقم ہو"۔

"لیکن کل تو آپ نے کہا تھا کہ میرے پاس صرف چند شلنگ ہیں" مسز ہال نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"رات مجھے کچھ اور رقم مل گئی"۔

"کچھ اور رقم مل گئی؟" مسز ہال حیرت سے بولی "کہاں سے مل گئی، جناب؟ اور ہاں۔ اس سے پہلے کہ میں آپ

کے لیے ناشتا لاؤں، مجھے یہ بتائیے کہ آپ میرے فرنیچر کا ناس کیوں مارتے رہتے ہیں؟ اور آپ کا کمرا خالی کیوں تھا؟ آپ کہاں گئے تھے؟ کیسے گئے تھے؟ اور واپس آئے تو کیسے آئے؟ اور میں یہ بھی جاننا چاہتی ہوں کہ ...."

"خاموش!" اجنبی نے اتنے زور سے کہا کہ مسز ہال سہم کر خاموش ہو گئی "میں تمھیں بتاتا ہوں۔ ساری بات بتاتا ہوں۔ ابھی بتاتا ہوں۔ میں یہاں موجود ہوں۔ میرا سارے کا سارا جسم یہاں موجود ہے، لیکن وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہے۔ میں سب کے سامنے موجود ہوتا ہوں لیکن کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ یہ دیکھو!"

یہ کہ کر اجنبی نے اپنا ہاتھ چہرے کی طرف بڑھایا اور پھر ہٹا لیا۔ اب اُس کے چہرے کی جگہ ایک گہرا سیاہ سوراخ نظر آ رہا تھا۔

"یہ دیکھو!" اجنبی نے دوبارہ کہا اور ایک چیز مسز ہال کے ہاتھ میں تھما دی۔ مسز ہال نے خوف کے مارے چیخ ماری اور وہ چیز اُس کے ہاتھوں سے فرش پر گر گئی۔ وہ ایک مصنوعی ناک تھی۔ گلابی رنگ کی چمکتی ہوئی ناک!

Scanned by CamScanner

پھر اجنبی نے اپنا چہرہ بھی بے نقاب کر دیا۔ "آہ!" ___ مسز ہال نے ایک زور کی چیخ ماری اور خوف
سے تھر تھر کانپتی ہوئی باہر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی ___
وہ اجنبی جو مسٹر ہال سے معاملات طے کرنا چاہتے ہوئے اپنی
ایک ہی حالت میں ... کا جسم گردن تک تو پورا اور
صحیح سلامت دکھائی دے رہا تھا مگر اس سے اوپر اس کا سر
غائب تھا ___ بالکل غائب تھا۔

مسز ہال کی چیخوں نے باہر گلی میں گھومتے پھرتے
لوگوں کو متوجہ کر لیا تھا اور وہ معاملے کی حقیقت جاننے کے
لیے سرائے کے باہر جمع ہو گئے تھے۔ پھر مسٹر ہال دیکھتے سے
فرش پر نظر آیا۔ وہ پولیس کے ایک سپاہی کو لے آیا تھا۔
سپاہی کے پاس ہتھکڑی بھی تھی اور گرفتاری کا وارنٹ بھی۔
وہ سپاہی کو ساتھ لے کر سیدھا اجنبی کے کمرے کی طرف
بڑھا۔

اندر کمرے میں انھوں نے ایک بغیر سر کے جسم کو اس
حالت میں دیکھا کہ اس کے ایک دستانے والے ہاتھ میں
ڈبل روٹی کا ٹکڑا تھا اور دوسرے دستانے والے ہاتھ میں
پنیر کا ٹکڑا۔ سپاہی کو دیکھتے ہی وہ حیران ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور
پیچھے ہٹتے ہوئے چلایا:

"یہ ___ یہ کون ہے؟"

اس کے بعد ایک خوف ناک کش مکش شروع ہو گئی
مسٹر ہال اور سپاہی اجنبی کو قابو میں کرنے کی کوشش کر
رہے تھے اور اجنبی اپنے آپ کو ان کی گرفت سے بچانے
کی جدوجہد کر رہا تھا۔ اس کش مکش میں انھوں نے کئی
قلابازیاں کھائیں، ایک دوسرے پر لاتیں اور مکے بھی
خوب چلائے ___ آخر کار اجنبی نے بے بس ہو کر کہا:

"میں ہار مانتا ہوں!" اس کی آواز خالی ہوا میں سے
آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"میرے پاس تمھاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔" سپاہی
نے کہا۔ "تم پر ایک گھر میں بلا اجازت داخل ہونے اور وہاں
سے رقم چرانے کا الزام ہے ___ ہاتھ آگے کرو۔ میں
ہتھکڑی لگاتا ہوں۔"

"ہتھکڑی کو رہنے دیجیے، جناب!" اجنبی کی آواز آئی۔

"نہیں، یہ ہمارے قانون کی بات ہے۔" سپاہی نے کہا۔

"اچھا!" اجنبی نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا۔

پھر وہ یکایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے جوتے
جرابیں اور پتلون اتار پھینکی۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا
کوٹ اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔

Scanned by CamScanner

"رُک جاؤ! روکو اسے!" سپاہی نے چیخ کر کہا "یہ لباس اُتار کر تو یہ....."

لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ اجنبی کی صرف سفید قمیص ہی ہوا میں لہراتی نظر آ رہی تھی۔ سپاہی پھر چیخا "روکو! پکڑو! جانے نہ پائے! دروازہ بند کر دو!" مگر اجنبی وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔

قصبہ آئی پنگ سے کوئی ڈیڑھ میل دُور سڑک کے کنارے ایک شخص بیٹھا تھا۔ قد چھوٹا، جسم موٹا، سُرخ گلابی چہرہ اور ٹھوڑی پر کانٹے دار جھاڑیوں جیسی چھدری چھدری داڑھی۔ اُس کا ہیٹ پُرانا اور میلا کچیلا تھا اور پاؤں میں صرف جُرابیں تھیں۔ یہ جُرابیں بھی پھٹی ہوئی تھیں اور پیروں کے انگوٹھے اور اُنگلیاں اُن پھٹی ہوئی جُرابوں میں سے جھانک رہی تھیں۔ اُس کے سامنے زمین پر بُوٹوں کے دو جوڑے رکھے تھے اور وہ اُن کی طرف یُوں دیکھ رہا تھا جیسے یہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ ان میں سے کون سا جوڑا پہنے۔

اس شخص کا نام تھامس مارول تھا اور کام بھیک مانگنا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم، بُوٹوں پر نگاہ جمائے بیٹھا تھا کہ اُسے اچانک اپنے پیچھے کسی کی آواز سُنائی دی "چلو، جُوتے تو مل گئے!"

"خیرات کے جُوتے" تھامس نے مایُوسی سے کہا "اور ان میں سے زیادہ واہیات جوڑا کون سا ہے، یہ میں نہیں جانتا"۔

یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے اردگرد دیکھا۔ شاید وہ ان جُوتوں کا مُقابلہ اُس آدمی کے جوتوں سے کرنا چاہتا تھا جس کی اُسے آواز سُنائی دی تھی۔ مگر جہاں اُن جوتوں کے ہونے کی توقع ہو سکتی تھی، وہاں جوتے تھے اور نہ ٹانگیں۔ اُس نے زور سے کہا:

"ارے بھئی، تم کہاں ہو؟"

تھامس مارول کو وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف جھاڑیاں تھیں جو ہوا سے اِدھر اُدھر جھول رہی تھیں۔

"کیا میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں؟" اُس نے حیرانی سے سوچا۔

"ڈرو نہیں!" آواز آئی۔

"کیا تم زمین میں دفن ہو اور زمین کے اندر سے بول رہے ہو؟" تھامس نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں کوئی بھوت پریت ہُوں؟" آواز نے کہا اور اس کے ساتھ ہی آگ کی چند چنگاریاں تھامس کے کان کے پاس سے ہوتی ہوئی گزر گئیں۔ وہ سہم گیا۔

"کیا اب تم میری بات سُنو گے؟" آواز نے کہا۔

"سُنوں گا، جناب، بالکل سُنوں گا" ڈر سے سہمے تھامس نے جواب دیا۔

"تو سُنو!" آواز نے کہا "میں بھی تُمھاری طرح ایک انسان ہوں۔ بالکل جیتا جاگتا اِنسان، جسے تمھاری طرح کھانے پینے اور کپڑوں کی ضرورت ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ میں دوسروں کی نظروں سے غائب ہوں۔ میں دوسروں کو دیکھتا ہوں مگر خود دوسروں کو دکھائی نہیں دیتا"۔

اس کے ساتھ ہی ایک نظر نہ آنے والے ہاتھ نے تھامس کی کلائی پکڑی۔ تھامس نے حیرانی سے اُوپر کی طرف دیکھا۔ اُس کے سامنے کوئی شے نہیں تھی۔ اُس نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا:

"آپ تو کوئی بھوت لگتے ہیں، جناب!"

"حوصلہ رکھو اور اپنے آپ کو سنبھالو" آواز نے کہا "یہاں کوئی بھوت نہیں ہے، اور ہو بھی تو میرے ہوتے ہوئے اُسے تمھارے قریب آنے کی جُرأت نہیں ہوگی۔ اب سُنو اور جو کام کی بات ہے، اُس کی طرف دھیان دو۔ تمھیں میرا ساتھی بننا ہے۔ میرے لیے کھانے پینے کا سامان، کپڑے اور دوسری چیزیں لانی ہیں۔ تم میرا کہنا مانو گے تو عیش کرو گے۔ زندگی آرام سے بسر کرو گے۔ میری ضرورت پوری کرو گے تو تمھاری ہر ضرورت پوری ہوگی۔ لیکن اگر تم نے

Scanned by CamScanner

"رُک جاؤ! روکو اِسے!" سپاہی نے چیخ کر کہا "یہ لباس اُتار کر تو یہ....."

لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ اجنبی کی صِرف سفید قمیص ہی ہوا میں لہراتی نظر آ رہی تھی۔ سپاہی پھر چیخا "دوڑو! پکڑو! جانے نہ پائے! دروازہ بند کر دو!" مگر اجنبی وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔

قصبہ آئی پنگ سے کوئی ڈیڑھ میل دُور سڑک کے کنارے ایک شخص بیٹھا تھا۔ قد چھوٹا، جسم موٹا، سُرخ گُلابی چہرہ اور ٹھوڑی پر کانٹے دار جھاڑیوں جیسی چھوٹی چھدری ڈاڑھی۔ اُس کا ہیٹ پُرانا اور میلا کُچیلا تھا اور پاؤں میں صِرف جُرابیں تھیں۔ یہ جُرابیں بھی پھٹی ہوئی تھیں اور پیروں کے انگوٹھے اور اُنگلیاں اُن پھٹی ہوئی جُرابوں میں سے جھانک رہی تھیں۔ اُس کے سامنے زمین پر بُوٹوں کے دو جوڑے رکھے تھے اور وہ اُن کی طرف یُوں دیکھ رہا تھا جیسے یہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اِن میں سے کون سا جوڑا پہنے۔

اِس شخص کا نام تھامَس مارول تھا اور کام بھیک مانگنا۔

وہ اپنی سوچوں میں گُم، بُوٹوں پر نِگاہ جمائے، بیٹھا تھا کہ اُسے اچانک اپنے پیچھے کسی کی آواز سُنائی دی "چلو، جُوتے تو مِل گئے!"

"خیرات کے جُوتے" تھامَس نے مایُوسی سے کہا "اور ان میں سے زیادہ واہیات جوڑا کون سا ہے، یہ میں نہیں جانتا"۔

یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے اِردگرد دیکھا۔ شاید وہ اِن جُوتوں کا مُقابلہ اُس آدمی کے جوتوں سے کرنا چاہتا تھا جس کی اُسے آواز سُنائی دی تھی۔ مگر جہاں اُن جوتوں کے ہونے کی توقعّ ہو سکتی تھی، وہاں جوتے تھے اور نہ ٹانگیں۔ اُس نے زور سے کہا:

"ارے بھئی، تم کہاں ہو؟"

تھامَس مارول کو وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ صِرف جھاڑیاں تھیں جو ہوا سے اِدھر اُدھر جھول رہی تھیں۔

"کیا میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہُوں؟" اُس نے حیرانی سے سوچا۔

"ڈرو نہیں!" آواز آئی۔

"کیا تُم زمین میں دفن ہو اور زمین کے اندر سے بول رہے ہو؟" تھامَس نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں کوئی بُھوت پریت ہُوں؟" آواز نے کہا اور اِس کے ساتھ ہی آگ کی چند چنگاریاں تھامَس کے کان کے پاس سے ہوتی ہوئی گُزر گئیں۔ وہ سہم گیا۔

"کیا اب تم میری بات سُنو گے؟" آواز نے کہا۔

"سُنوں گا، جناب، بِالکُل سُنوں گا" ڈر سے سہمے تھامَس نے جواب دیا۔

"تو سُنو!" آواز نے کہا "میں بھی تُمھاری طرح ایک اِنسان ہوں۔ بالکُل جیتا جاگتا اِنسان، جسے تمھاری طرح کھانے پینے اور کپڑوں کی ضرورت ہے۔ بس اِتنا فرق ہے کہ میں دوسروں کی نظروں سے غائب ہوں۔ میں دوسروں کو دیکھتا ہوں مگر خود دوسروں کو دکھائی نہیں دیتا"۔

اِس کے ساتھ ہی ایک نظر نہ آنے والے ہاتھ نے تھامَس کی کلائی پکڑلی۔ تھامَس نے حیرانی سے اُوپر کی طرف دیکھا۔ اُس کے سامنے کوئی شے نہیں تھی۔ اُس نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا:

"آپ تو کوئی بُھوت لگتے ہیں، جناب!"

"حوصلہ رکھو اور اپنے آپ کو سنبھالو" آواز نے کہا "یہاں کوئی بھوت نہیں ہے، اور ہو بھی تو میرے ہوتے ہوئے اُسے تمھارے قریب آنے کی جُرأت نہیں ہوگی۔ اب سُنو اور جو کام کی بات ہے، اُس کی طرف دھیان دو۔ تمھیں میرا ساتھی بننا ہے۔ میرے لیے کھانے پینے کا سامان، کپڑے اور دوسری چیزیں لانی ہیں۔ تم میرا کہنا مانو گے تو عیش کرو گے۔ زندگی آرام سے بسر کرو گے۔ میری ضرورت پوری کرو گے تو تمھاری ہر ضرورت پوری ہوگی۔ لیکن اگر تم نے

Scanned by CamScanner

میرے ساتھ غداری کی تو...." اس کے ساتھ ہی ایک نظر نہ آنے والے ہاتھ نے تھامس کا کندھا دبایا۔

"میں کبھی آپ سے غداری نہیں کروں گا، جناب!" تھامس نے عاجزی سے کہا "آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ پوری پوری تعمیل کروں گا"۔

اِدھر تو اجنبی اور تھامس مارول کے درمیان وفاداری کے یہ قول قرار ہو رہے تھے، اُدھر آئی پنگ کی سرائے میں ڈاکٹر کوس اور پادری بنٹنگ اُن تین نیلی ڈائریوں کو پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے جو پُراسرار اجنبی کمرے میں چھوڑ گیا تھا۔ اتنے میں چھوٹے قد، موٹے جسم، سُرخ گلابی چہرے والا ایک شخص سر پر ایک پُرانا اور میلا کُچیلا سا ہیٹ رکھے سرائے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی سرد ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا۔ پادری نے اُس شخص سے کہا:

"دروازہ بند کر دیجیے۔ باہر خاصی سردی ہے"۔

اُس شخص نے خاموشی سے دروازہ بند کر دیا۔ ڈاکٹر کوس اور پادری بنٹنگ پھر ڈائریوں کے مُطالعے میں کھو گئے۔ ڈائریوں کی عبارت کسی کوڈ یا اِشاراتی زبان میں تھی اور وہ دونوں اُس کوڈ کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اچانک پادری نے اپنے کندھے پر کسی ہاتھ کی گرفت محسوس کی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا میں پُراسرار اجنبی کی آواز اُبھری "میرے کپڑے لادو، اور یہ ڈائریاں بھی میرے حوالے کر دو"۔

مسٹر ہال اور مسز ہال برابر والے کمرے میں مُسافروں کی خدمت میں مصروف تھے کہ اُنھیں "چور! چور! پکڑو! پکڑو! جانے نہ پائے!" کا شور سُنائی دیا۔

وہ بھاگم بھاگ اُدھر آئے تو دیکھا کہ چھوٹے قد، موٹے جسم اور میلے کُچیلے ہیٹ والا ایک آدمی بغل میں کپڑوں کی ایک گٹھڑی اور تین نیلی ڈائریاں دبائے تیزی سے بھاگا جا رہا ہے ___ اندر کمرے میں جاکر دیکھا تو پادری بنٹنگ اور ڈاکٹر کوس صرف نیکر اور بنیان پہنے سردی سے اور شاید خوف سے بھی، تھر تھر کانپ رہے تھے۔ نظر نہ آنے والا پُراسرار اجنبی نہ جانے کیسے اُن کے کپڑے اُتار کر لے گیا تھا۔

ابھی وہ اس صدمے سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ با[ہر] میلے کے اِسٹالوں اور دُکانوں میں کُہرام مچ گیا۔ اسٹال اُل[ٹ] دیے گئے۔ دکانیں توڑ پھوڑ دی گئیں۔ مٹھائیاں اور دوسر[ی] چیزیں کوڑے کرکٹ کی طرح زمین پر پھینک دی گئیں۔ ا[یسا] دکھائی دیتا تھا جیسے نظر نہ آنے والا وہ پُراسرار اجنبی سخت غصّے میں ہے۔ اُس نے مسٹر ہال اور مسز ہال کی سرائے [کو] بھی نہیں بخشا۔ اُس نے سرائے کی کھڑکیوں کے شیشے تو[ڑ] ڈالے اور ٹیلی فون کے تار کاٹ دیے۔ لوگوں نے اُسے پکڑنے کی بڑی کوشش کی مگر اِس قدر تباہی مچانے کے بعد نظر نہ آنے والا پُراسرار اجنبی اور اُس کا ساتھی تھامس مارول وہاں سے صاف نکل گئے۔

اگلے چند دن آئی پنگ اور آس پاس کی آبادیوں میں غیر معمولی واقعات پیش آتے رہے، اور اِن واقعات کی چٹ پٹی اور سنسنی خیز خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہیں۔ کہیں لوگوں کو چھوٹے بڑے سکّے ہوا میں اُچھلتے نظر آئے تو کہیں کوٹ، پتلون، ہیٹ اور بُوٹ ہوا میں تیرتے دکھائی دیے۔ کہیں کسی کے سامنے رکھا ہوا کھانا پُراسرار طور پر غائب ہو جاتا اور کہیں کسی دُکان دار کے سامنے رکھی ہوئی پھلوں کی ٹوکری خود بخود خالی ہو جاتی۔

یہ ساری وارداتیں اُس پُراسرار اجنبی کی تھیں جو لوگوں کو نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اپنے ساتھی تھامس مارول سے خوب کام لے رہا تھا۔ تھامس نے اُس کا کام کرنے اور وفادار رہنے کا عہد تو کیا تھا مگر چند ہی دنوں میں وہ اِس کام سے بیزار ہو گیا۔ پُراسرار اجنبی ایک جن کی طرح اُس پر سوار ہو گیا تھا۔ وہ جب بھی بھاگنے کی کوشش کرتا یا کسی کو اپنی مُصیبت بھری کہانی سُنانے کی کوشش کرتا تو اجنبی کی سخت اُنگلیاں اُس کی گردن دبوچ لیتی تھیں۔

مگر آخر ایک روز موقع پا کر وہ بھاگ نکلا اور پُراسرار اجنبی کی ڈائریاں بھی لے گیا!

(باقی اگلے مہینے)

Scanned by CamScanner

تصویر کا سائز "6×9"

تنور والا

فضل بادشاہ نوشہرو۔ پہلا انعام: 100 روپے کی کتابیں

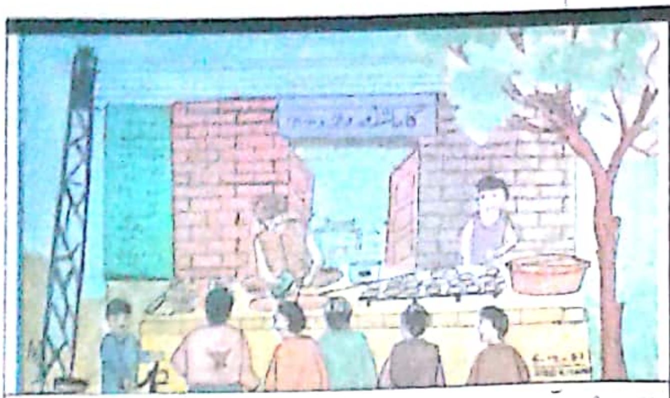

سید عبدالسلام رضوان ربوہ۔ دوسرا انعام: 75 روپے کی کتابیں

نادیہ زمان کراچی۔ تیسرا انعام: 50 روپے کی کتابیں

عمران سہیل بوبی اوکاڑہ۔ چوتھا انعام: 25 روپے کی کتابیں

شمائلہ لاس نیرو اسماعیل خان۔ پانچواں انعام: 20 روپے کی کتابیں

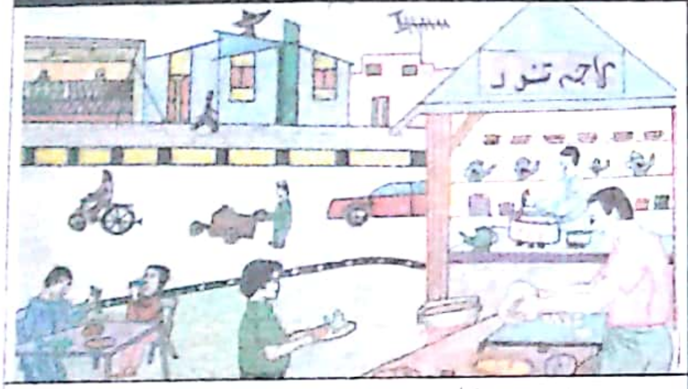

فرح ناز جہلم۔ چھٹا انعام: 15 روپے کی کتابیں

ان ہونہار مصوروں کی تصویریں بھی اچھی ہیں۔

محمد ابرار عبدالحکیم کبیر والا۔ نایاب خالد بہاولپور۔ غفار عزیز عالم پور محمد عثمان کاچھو پورہ لاہور۔ وجاہت حسین لاہور کینٹ۔ عالیہ ذبیر لاہور۔ شگفتہ مغل گرین ٹاؤن لاہور مرزا عبدالمنان (پتا نہیں لکھا)۔ سہیل اصغر موہری شریف۔ شاہین عادل ناظم آباد کراچی محمد عمران لاہور۔ عطیہ حمید کوہاٹ سفیان اصغر موہری شریف۔ میر راحیل پرویز مظفر آباد آزاد کشمیر۔ عائشہ بشیر خان (پتا نہیں لکھا)۔ محمد جنید نیو مسلم ٹاؤن لاہور۔ سید زوہیب حیدر لیہ۔ عاصم صلاح الدین لاہور۔ شمس شوکت پاکپتن عشوہ عظیم لاہور پرویز علی کاکے لائن مظفر آباد۔ صباحت خان بہاولپور۔ قرۃ العین کراچی۔ آصف ایوب جہلم۔ گل حسن فیصل آباد۔ تہمینہ طارق کراچی۔ میر عدیل آزاد کشمیر۔ رانا رحمان اظہر فیصل آباد۔ محمد اکرام سرائے صالح ہری پور۔ ثمرین ریاض میر کارساز کراچی۔

آخری تاریخ 10 جنوری

فروری: گنے کے رس والا

مارچ: ماحول کی آلودگی

ان موضوعات میں سے جس موضوع پر چاہیں تصویر بنا سکتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

دنیا میں کسی انسان کو وہ شرف حاصل نہیں ہو سکا جو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے حصے میں آیا۔ آپ رشتے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور حضورؐ کے گہرے دوست بھی تھے۔ دونوں کو شراب اور بت پرستی سے نفرت تھی اور دونوں اکٹھے ایک اَن دیکھے خدا کی عبادت کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ نے خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسلام کی دعوت دی تو حضورؐ کے خاندان سے باہر حضرت ابوبکرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے دینِ حق قبول کیا۔ جب معراج کا واقعہ پیش آیا اور مکے کے کافروں نے اِس معجزے کو نہ مانا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی سچائی کی گواہی دی، جس پر حضورؐ نے آپ کو صدیق یعنی "ہمیشہ سچ بولنے والا" کا لقب دیا۔ اسلام لانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت ابوبکرؓ پر بھی مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور کئی لوگ ان مظالم سے تنگ آکر حضورؐ کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ لیکن حضرت صدیقؓ نے کسی حالت میں بھی حضورؐ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب مسلمانوں کو مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا تو حضورؐ نے حضرت صدیقؓ کو روک لیا اور جب خود ہجرت کی تو حضرت صدیقؓ کو اپنے ساتھی کے طور پر منتخب کیا۔ جب اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ وفات پا گئیں تو حضرت صدیقؓ نے حضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے اپنی بیٹی اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کو آپ کے عقد میں دے دیا۔

حضرت صدیقؓ تمام جنگوں میں حضورؐ کے ساتھ رہے۔ مسلمانوں میں آپ کے بلند مقام کا اِس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت تصدیق کرنے والوں میں حضورؐ کے بعد پہلا نام آپ کا ہی تھا۔ فتح مکہ کے وقت بھی جب حضورؐ شہر میں داخل ہوئے تو حضرت صدیقؓ آپؐ کے ساتھ اُسی اُونٹنی پر سوار تھے۔ حضور نبی اکرمؐ نے اپنی بیماری کے دوران ہی حضرت صدیق اکبرؓ کو مسجد نبوی میں اپنی جگہ امامت کے لیے منتخب فرمایا۔ اس سے زیادہ خوش بختی اور کیا ہوگی کہ وفات کے بعد بھی حضرت ابوبکرؓ کو حضرت نبی اکرمؐ کے دامنِ رحمت میں جگہ نصیب ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ مکے میں حضورؐ کے قبیلہ قریش میں ایک تاجر ابو قحافہ کے ہاں 571ء یا 572ء میں پیدا ہوئے۔ والدین نے آپؓ کا نام کعبہ کی نسبت سے عبدُالکعبہ یعنی کعبہ کا غلام رکھا۔ لیکن جب آپ اسلام لے آئے تو حضورؐ نے آپ کا نام بدل کر عبدُاللہ یعنی خدا کا غلام رکھ دیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے آپ شروع سے ہی حضورؐ کے

بقیہ صفحہ 33 پر